ایک فلسفی کے مغالطوں

کا

جواب

از

ابو شہریار

۲۰۱۹

پیش لفظ

قرآن میں ہے

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِها وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنامِها فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرى إِلى أَجَلٍ مُسَمًّى

اللہ پورا قبضے میں لیتا ہے نفس کو موت کے وقت اور جو نہیں مرا اس کا نفس نیند کے وقت پس پکڑ کے رکھتا ہے اس نفس کو جس پر موت کا حکم لگاتا ہے اور چھوڑ دیتا ہے دوسروں کو اک وقت مقرر تک کے لئے۔

نفس یا روح کا توفی یعنی قبضے میں لینا نیند اور موت دونوں حالتوں میں جسم میں ہی ہوتا ہے پھر موت کے وقت روح جسم سے نکال لی جاتی ہے جسے امساک روح کہا جاتا ہے اور نیند کے وقت نفس یا روح کو جسم میں قبض کرنے کے بعد چھوڑ دیا جاتا ہے جسے نفس کا ارسال کہتے ہیں۔ قرآن میں ہے

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ وَمَن قَالَ سَأُنزِلُ مِثْلَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ ۗ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنفُسَكُمُ ۖ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ

اور اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر بہتان باندھے یا یہ کہے کہ مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے حالانکہ اس پر وحی نہ اتری ہو اور جو کہے میں بھی ایسی چیز اتار سکتا ہوں جیسی کہ اللہ نے اتاری ہے، اور اگر تو دیکھے جس وقت ظالم موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھانے والے ہوں گے کہ اپنے نفس کو نکالو، آج تمہیں ذلت کا عذاب ملے گا اس سبب سے کہ تم اللہ پر جھوٹی باتیں کہتے تھے اور اس کی آیتوں کے ماننے سے تکبر کرتے تھے۔

سورۃ الأنعام 6 : 60

وَ ہُوَ الَّذِیۡ یَتَوَفّٰىکُمۡ بِالَّیۡلِ وَ یَعۡلَمُ مَا جَرَحۡتُمۡ بِالنَّہَارِ ثُمَّ یَبۡعَثُکُمۡ فِیۡہِ لِیُقۡضٰۤی اَجَلٌ مُّسَمًّی ۚ ثُمَّ اِلَیۡہِ مَرۡجِعُکُمۡ ثُمَّ یُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ

تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۶۰﴾

اور وہی ہے جو رات کو تمہاری روحیں قبض کرتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس کو وہ جانتا ہے پھر وہ اس (دِن) میں تمہیں اُٹھا دیتا ہے تاکہ مقررہ مدت پوری کی جائے پھر اس کی طرف تمہاری واپسی ہے پھر وہ تمہیں اس کی خبر کردے گا جو تم عمل کیا کرتے تھے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ

موت کے وقت روح کو فرشتے جسم سے نکال لیتے ہیں

موت پر روح کو روک لیا جاتا ہے

حدیث میں ہے

سنن ابن ماجه میں ہے

حدثنا ابو بكر بن ابي شيبة ، حدثنا ابو معاوية ، عن الاعمش ، عن ابي صالح ، عن ابي هريرة ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ليس شيء من الإنسان إلا يبلى، إلا عظما واحدا، وهو عجب الذنب، ومنه يركب الخلق يوم القيامة

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”انسان کے جسم کی ہر چیز سڑ گل جاتی ہے، سوائے ایک ہڈی کے اور وہ عجب الذنب ہے، اور اسی سے قیامت کے دن انسان کی پیدائش ہو گی ۔

حدیث میں ہے کہ انسان کا جسم زمین کھا جاتی ہے سوائے عجب الذنب کے۔ اس میں کوئی دلیل نہیں کہ یہ عجب الذنب زندہ ہوتی ہے بلکہ اللہ تعالی قرآن میں خاص طور پر ذکر کرتے ہیں کہ وہ ہڈی کو زندہ کریں گے۔ دوسری حدیث صحیح مسلم کی روایت ہے جو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ الْقَوَارِيرِيُّ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، حَدَّثَنَا بُدَيْلٌ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَقِيقٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: «إِذَا خَرَجَتْ رُوحُ الْمُؤْمِنِ تَلَقَّاهَا مَلَكَانِ يُصْعِدَانِهَا» - قَالَ حَمَّادٌ: فَذَكَرَ مِنْ طِيبِ رِيحِهَا وَذَكَرَ الْمِسْكَ - قَالَ: " وَيَقُولُ أَهْلُ السَّمَاءِ: رُوحٌ طَيِّبَةٌ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ الْأَرْضِ، صَلَّى اللهُ عَلَيْكِ وَعَلَى جَسَدٍ كُنْتِ تَعْمُرِينَهُ، فَيُنْطَلَقُ بِهِ إِلَى رَبِّهِ عَزَّ وَجَلَّ، ثُمَّ يَقُولُ: انْطَلِقُوا بِهِ إِلَى آخِرِ الْأَجَلِ "، قَالَ: " وَإِنَّ الْكَافِرَ إِذَا خَرَجَتْ رُوحُهُ - قَالَ حَمَّادٌ وَذَكَرَ مِنْ نَتْنِهَا، وَذَكَرَ لَعْنًا - وَيَقُولُ أَهْلُ السَّمَاءِ رُوحٌ: خَبِيثَةٌ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ الْأَرْضِ. قَالَ فَيُقَالُ: انْطَلِقُوا بِهِ إِلَى آخِرِ الْأَجَلِ "، قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: فَرَدَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَيْطَةً كَانَتْ عَلَيْهِ، عَلَى أَنْفِهِ، هَكَذَا

عبیداللہ بن عمر قواریری حماد بن زید بدیل عبداللہ بن شقیق ، ابوہریرہ (رض) سے روایت ہے کہ جب کسی مومن کی روح نکلتی ہے تو دو فرشتے اسے لے کر اوپر چڑھتے ہیں تو آسمان والے کہتے ہیں کہ پاکیزہ روح زمین کی طرف سے آئی ہے اللہ تعالیٰ تجھ پر اور اس جسم پر کہ جسے تو آباد رکھتی تھی رحمت نازل فرمائے پھر اس روح کو اللہ عزوجل کی طرف لے جایا جاتا ہے پھر اللہ فرماتا ہے کہ تم اسے آخری وقت کے لئے لے چلو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کافر کی روح جب نکلتی ہے تو آسمان والے کہتے ہیں کہ خبیث روح زمین کی طرف سے آئی ہے پھر اسے کہا جاتا ہے کہ تم اسے آخری وقت کے لئے لے چلو - ابوہریرہ (رض) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی چادر اپنی ناک مبارک پر اس طرح لگالی تھی

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ روح جسم سے نکلنے کے بعد آسمان پر لے جائی گئی اور جسم مٹی بن گیا صرف ایک بے جان ہڈی عجب الذنب رہ گئی۔ روح کو اللہ تعالی کے حضور پیش کیا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کہ جو مرا فقد قَامَت قِيَامَته اس پر اسکی قیامت قائم ہوئی پر بحث کرتے ہوئے ابن حزم (المتوفی: 456ھ۔) کتاب الفصل فی الملل والأهواء والنحل میں لکھتے ہیں

قَالَ أَبُو مُحَمَّد وَإِنَّمَا عنى رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم بِهَذَا الْقيام الْمَوْت فَقَط بعد ذَلِك إِلَى يَوْم الْبَعْث كَمَا قَالَ عز وَجل {ثمَّ إِنَّكُم يَوْم الْقِيَامَة تبعثون} فنص تَعَالَى على أَن الْبَعْث يَوْم الْقِيَامَة بعد الْمَوْت بِلَفْظَة ثمَّ الَّتِي هِيَ للمهلة وَهَكَذَا أخبر عز وَجل عَن قَوْلهم يَوْم الْقِيَامَة {يا ويلنا من بعثنَا من مرقدنا هَذَا} وَأَنه يَوْم مِقْدَاره خَمْسُونَ ألف سنة وَأَنه يحيي الْعِظَام وَيبْعَث من فِي الْقُبُور فِي مَوَاضِع كَثِيرَة من الْقُرْآن وبرهان ضَرُورِيّ وَهُوَ أَن الْجنَّة وَالنَّار موضعان ومكانان وكل مَوضِع وَمَكَان ومساحة متناهية بِحُدُودِهِ وبالبرهان الَّذِي قدمْنَاهُ على وجوب تناهي الإجسام وتناهى كل مَا لَهُ عدد وَيَقُول الله تَعَالَى {وجنة عرضهَا السَّمَاوَات وَالْأَرْض} فَلَو لم يكن لتولد الْخلق نِهَايَة لكانوا أبدا يحدثُونَ بِلَا آخر وَقد علمنَا أَن مصيرهم الْجنَّة أَو النَّار ومحال مُمْتَنع غير مُمكن أَن يسع مَا لَا نِهَايَة لَهُ فيماله نِهَايَة من الماكن فَوَجَبَ ضَرُورَة أَن لِلْخلقِ نِهَايَة فَإِذا ذَلِك وَاجِب فقد وَجب تناهى عَالم الذَّر والتناسل ضَرُورَة وَإِنَّمَا كلامنا هَذَا مَعَ من يُؤمن بِالْقُرْآنِ وبنبوة مُحَمَّد صلى الله عَلَيْهِ وَسلم وَادّعى الْإِسْلَام وَأما من أنكر الْإِسْلَام فكلامنا مَعَه على مَا رتبناه فِي ديواننا هَذَا من النَّقْض على أهل الْإِلْحَاد حَتَّى تثبت نبوة مُحَمَّد صلى الله عَلَيْهِ وَسلم وَصِحَّة مَا جَاءَ بِهِ فنرجع إِلَيْهِ بعد التَّنَازُع وَبِاللَّهِ تَعَالَى التَّوْفِيق وَقد نَص الله تَعَالَى على أَن الْعِظَام يُعِيدهَا ويحيها كَمَا كَانَت أول مرّة وَأما اللَّحْم فَإِنَّمَا هُوَ كسْوَة كَمَا قَالَ {وَلَقَد خلقنَا الْإِنْسَان من سلالة من طين ثمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَة فِي قَرَار مكين}

امام ابن حزم نے کہا کہ بے شک رسول اللہ صلي اللہ علیہ وسلم نے خبر دي قیام سے مراد فقط موت ہے کیونکہ اب اس کو یوم بعث پر اٹھایا جائے گا جیسا اللہ تعالي نے کہا {ثمَّ إِنَّكُم يَوْم الْقِيَامَة تبعثون} پھر تم کو قیامت کے دن اٹھایا جائے گا پس نص کي اللہ تعالي نے ان الفاظ سے کہ زندہ ہونا ہو گا قیامت کے دن موت کے بعد یعني یہ ایک ڈیڈ لائن ہے اور اسي طرح اللہ نے خبر دي قیامت پر اپنے قول سے {يَا ويلنا من بعثنَا من مرقدنا هَذَا} ہائے بربادي کس نے ہمیں اس نیند کي جگہ سے اٹھایا اور اس دن کي مقدار پچاس ہزار سال کي ہے اور بے شک اس نے خبر دي قرآن میں اور برہان ضروري سے کثیر مقامات پر کہ وہ ہڈیوں کو زندہ کرے گا اور جو قبروں میں ہیں انکو جي بخشے گا - جنت و جہنم دو جگہیں ہیں اور مکان ہیں اور ہر مکان کي ایک حدود اور انتھي ہوتي ہے اور وہ برہان جس کا ہم نے ذکر کیا واجب کرتا ہے کہ

اس ميں اجسام لا متناہي نہ ہوں اور گنے جا سکتے ہوں اور الله کا قول ہے {وجنة عرضهَا السَّمَاوَات وَالْأَرْض} وہ جنت جس کي چوڑائي آسمانوں اور زمين کے برابر ہے اور .... پس ضروري ہے کہ مخلوق کي انتهي ہو ... اور بے شک الله تعالي نے نص دي کہ ہڈيوں کو واپس شروع کيا جائے گا اور انکو زندہ کيا جائے گا جيسا پہلي دفعہ تها اور جو گوشت ہے تو وہ تو اس ہڈي پر غلاف ہے جيسا الله نے کہا {وَلَقَد خلقنَا الْإِنْسَان من سلالة من طين ثمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَة فِي قَرَار مكين} اور بے شک ہم نے انسان کو خلق کيا مٹي سے پهر اس کا نطفہ ايک ٹهرنے والي جگہ کيا

ابن حزم بار بار اللہ تعالی کے قول کی یاد دہانی کرا رہے ہیں کہ موت کے بعد اجسام ہڈیوں میں بدل جائیں گے اور زندہ بھی ہڈی کو کیا جائے گا پھر اس پر گوشت کا غلاف آئے گا لہذا یہ ظاہر ہے کان یا آلات سماعت تو گوشت کے ھوتے ہیں جب وہ ہی معدوم ہو جائیں تو انسان کیسے سنے گا- عجب الذنب ایک ہڈی ہے جو باقی رہے گی لیکن بے جان و بے روح رہے گی جس طرح ایک بیج بے جان ہوتا ہے- یہ اللہ کا فعل ہے جو بے جان میں سے زندہ کو نکالتا ہے

قرآن میں سورہ بقرہ اور سورہ الزمر میں دو موتوں اور دو زندگیوں کا اصول بیان ہوا ہے

ربنا أمتنا اثنتين وأحييتنا اثنتين

وہ کہیں گے اے رب ہم کو دو بار زندہ کیا گیا اور دو بار موت دی گئی

یعنی دوزخی اقرار کریں گے کہ ان کو دو موت مل چکیں اور دو زندگیاں مل چکیں-اس آیت کا مفہوم ۹۰ فیصد مفسرین کے نزدیک یہی ہے کہ

پہلی موت وہ دور ہے جب انسان زمین پر پیدا نہ ہوا تھا

پہلی زندگی وہ دور ہے جس میں ہم سب اس وقت ہیں یہاں تک کہ قبض روح ہو

دوسری موت وہ ہے جس میں فرشتے روح قبض کر کے اس کو آسمان پر لے جاتے ہیں

دوسری زندگی اب حشر پر عود روح پر ہو گی

ان تمام نصوص کے برعکس ایک فلسفی نے اپنے تئیں عقائد کا اجراء کیا کہ انسانی روح کو عجب الذنب میں، وائرس کے حجم کے برابر، ایک مٹی سے بنے جسم میں، قیامت تک کے لئے قید کر دیا جاتا ہے، چاہے رسول و نبی ہو یا شہید و نیکوکار ہو یا کافر و فاجر ہو- اس فلسفی کے نزدیک اسی بنا پر شہید کو مردہ کہنے سے منع کیا گیا ہے اور جنازہ پر لاشہ کلام کر پاتا ہے اور جوتیوں کی چاپ سنتا ہے- اس عقیدے کے پیچھے یہ تصور اپنایا گیا ہے کہ روح کو عجب الذنب میں بند کر دیا جاتا ہے- ساتھ ہی اس فلسفی کو مغالطہ ہے کہ اللہ تعالی نے مٹی سے بنے اجسام کو میدان عرفات میں خلق کیا ان سے عہد الست لیا- اس طرح فلسفی کا عقیدہ ہے کہ

جب انسان کی روح جسد عنصری سے الگ تھی تو اس دور میں اس کی پہلی موت تھی

پھر تمام انسان مٹی سے بنا دیے گئے ان میں روحیں آ گئیں سب ایک ساتھ زندہ ہو گئے (اس حالت میں عہد الست لیا گیا) یہ پہلی زندگی تھی- اس دور میں روح مردار عجب الذنب کے اندر موجود تراب سے بنے ایک منحنی جسم میں موجود ہوتی ہے جو ہر انسان کو عہد الست کے وقت میسر تھا

پھر صور اول کا وقت ہوا اور تمام انسان مار دیے گئے یہ دوسری موت ہوئی

پھر آسمان سے بارش ہوئی تو دوسری زندگی شروع ہوئی

اس فلسفی کے نزدیک قبض نفس سے مراد موت نہیں ہے بلکہ روح کا عجب الذنب میں قیدی بننا انسان کی زندگی ہی ہے یہاں تک کہ تمام انسان زمین پر جنم لیتے ہیں اور عجب الذنب میں ایک مٹی سے بنا جسم ہوتا ہے جس میں روحیں قید ہو جاتیں ہیں — صور اول پر ان تمام انسانوں کو دوسری موت آتی ہے- بقول اس شخص کے عہد الست سے لے کر پہلے صور تک ہر انسان مسلسل اپنی پہلی زندگی کا دورانیہ گزارتا ہے۔ پہلے صور سے دوسرے صور تک اس کی دوسری موت کا دورانیہ گزرے گا- پہلی زندگی کا خاتمہ پہلے صور پر ہو گا جب تراب والے جسم کو بھی روح چھوڑ کر آزاد ہو جائے گی۔ اس طرح اس فلسفی نے ان آیات و احادیث کا رد کیا جن میں روح کو قبض کر کے امساک روح کا ذکر ہے یعنی روح کو روک لیے جانے کا ذکر ہے

نبی علیہ السلام کو خواب میں گناہ گاروں پر عذاب اور انبیاء کے مقامات اور خود نبی علیہ السلام کا مقام دکھایا گیا- اس کو حدیث سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کہا جاتا ہے- اس کا ذکر عثمانی صاحب نے اپنے رسالہ میں کیا ہے — اس حدیث کو مشکوۃ سے یہاں نقل کیا جاتا ہے

مشکوۃ۔ جلد چہارم۔ خواب کا بیان

سمرہ ابن جندب کہتے ہیں، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم (صبح کی) نماز سے فارغ ہوتے تو اپنا چہرہ اقدس ہماری طرف متوجہ کرتے اور پوچھتے کہ آج کی رات تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے؟ سمرہ کہتے ہیں کہ اگر ہم سے کسی نے خواب دیکھا ہوتا تو وہ اس کو بیان کرتا اور آپ اس کی وہ تعبیر فرما دیتے جو اللہ تعالیٰ الہام فرماتا۔ چنانچہ اپنے اپنے معمول کے مطابق ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے وہی سوال کیا اور فرمایا کہ کیا تم میں سے کسی شخص نے خواب دیکھا ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیکن میں آج کی رات خواب دیکھا ہے (اور وہ یہ) کہ دو شخص میرے پاس آئے اور میرے دونوں ہاتھوں کو پکڑ کر مجھے اِرض مقدسۃ کی طرف لے چلے، پس ایک جگہ پہنچ کر میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص میرے پاس آئے بیٹھا ہوا ہے اور ایک شخص اپنے ہاتھ میں لوہے کا آنکڑا لئے کھڑا ہے، اور وہ پھر اس آنکڑے کو بیٹھے ہوئے شخص کے کلے میں ڈالتا ہے اور اس کو چیرتا ہے، یہاں تک کہ اس کی گدی تک چیرتا چلا جاتا ہے، پھر وہ دوسرے کلے کے ساتھ اس طرح کرتا ہے (یعنی اس کو بھی گدی تک چیر دیتا ہے) جب وہ کلہ اپنی اصلی حالت پر آجاتا ہے تو پھر پہلے کی طرح وہی عمل کرتا ہے (یعنی وہ کلے کو چیرتا ہے اور جب وہ کلہ درست ہو جاتا ہے تو پھر چیرتا ہے غرضیکہ بار باریہی عمل کرتا ہے اور یہ عمل جاری رہتا ہے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہیں کہ میں نے (یہ مت پوچھئے کہ کیا ہو رہا ہے بلکہ آگے چلئے ابھی بہت عجائبات دیکھنے ہیں اس کی تعبیر معلوم ہو جائے گی) چنانچہ ہم آگے چلے یہاں تک کہ ایک ایسی جگہ آئے جہاں ایک شخص چت پڑا ہوا تھا اور ایک شخص اس سر کے پاس اتنا بڑا پتھر لئے کھڑا تھا جس سے ہاتھ بھر جائے اور اس سے چت پڑے شخص کے سر کو کچلتا تھا، چنانچہ جب وہ پتھر کو (کھینچ کر) اس کے سر پر مارتا ہے تو پتھر سر کو کچل کر لڑھکتا ہوا دور چلا جاتا (پھر وہ دوبارہ مارنے کی غرض سے) اس پتھر کو اٹھانے کے لئے جاتا اور جب لوٹ کر آتا تو اس کے پہنچنے سے پہلے ہی اس شخص کا سر درست ہو جاتا اور پھر وہ اس پر پتھر مارتا اور اسی طرح یہ سلسلہ جاری تھا کہ اس کا سر درست ہوتا رہتا اور وہ اس پر پتھر مارتا رہتا میں نے (یہ دیکھ کر) پوچھا کہ کیا ہو رہا ہے؟ ان دونوں نے جواب دیا کہ چلے چلئے۔ چنانچہ ہم آگے چلے یہاں تک کہ ایک ایسے گڑھے پر پہنچے جو تنور کی مانند تھا کہ اس کے اوپر کا حصہ تنگ تھا اور نیچے کا حصہ کشادہ تھا اور اس کے اندر آگ بھڑک رہی تھی جس آگ اوپر کی طرف بھڑکتی تو کچھ لوگ جو آگ کے اندر تھے (شعلوں کے ساتھ) اوپر آجاتے یہاں تک کہ اس گڑھے سے نکلنے کے قریب ہو جاتے اور جب شعلہ کا زور گھٹ جاتا تو وہ سب پھر اندر چلے جاتے میں نے دیکھا کہ اس آگ میں کئی مرد تھے اور کئی عورتیں تھیں اور سب ننگے تھے میں نے (یہ دیکھ کر) پوچھا کہ کیا ہو رہا ہے تو ان دونوں نے کہا کہ چلے چلئے چنانچہ ہم آگے چلے یہاں تک کہ ایک ایسی نہر پر پہنچے جو (پانی کے بجائے) خون سے بھری ہوئی تھی، نہر کے بیچ میں ایک شخص کھڑا ہوا تھا اور ایک شخص اس کے کنارے پر تھا جس کے آگے پتھر رکھے ہوئے تھے جب وہ شخص جو نہر کے بیچ میں تھا (آگے کنارے پر) آیا اور چاہا کہ باہر نکل آئے تو اس شخص نے جو کنارے پر تھا اس کے منہ پر پتھر پھینک کر مارا جس سے وہ اپنی جگہ لوٹ گیا اور پھر اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہا کہ نہر کے اندر کا آدمی جب باہر نکلنے کا ارادہ کرتا تھا تو کنارے والا آدمی اس کے منہ پر پتھر مارتا اور اس کو اسی جگہ واپس کر دیتا ہے میں نے (یہ دیکھ کر) پوچھا کہ کیا ہو رہا ہے؟ تو ان دونوں نے کہا کہ چلے چلئے۔ چنانچہ ہم آگے چلے

یہاں تک ایک سرسبز شاداب باغ کے پاس پہنچے اس باغ میں ایک بڑا درخت تھا اور اس کی جڑ پر ایک بوڑھا اور کچھ لڑکے (بیٹھے) تھے پھر کیا دیکھتا ہوں کہ اس درخت کے پاس ایک اور شخص بھی ہے جس کے آگے آگ جل رہی ہے وہ اس کو جلا بھڑکا رہا تھا، پھر وہ دونوں آدمی مجھ کو لے کر درخت پر چڑھے اور مجھ کو ایک ایسے گھر میں داخل کیا جو درخت کے بالکل درمیان تھا (اور یہ گھر اتنا اچھا تھا، کہ) میں نے کبھی بھی اس سے اچھا کوئی گھر نہیں دیکھا اس گھر میں کتنے ہی جوان بوڑھے، مرد تھے، کتنی ہی عورتیں اور کتنے ہی بچے تھے، اس کے بعد وہ دونوں مجھ کو اس گھر سے نکال کر درخت کے اور اوپر لے گئے اور مجھ کو ایک ایسے گھر میں داخل کیا جو پہلے گھر سے بھی بہت اچھا اور افضل تھا اس میں بھی بوڑھے اور جوان آدمی موجود تھے اب میں نے ان دونوں آدمیوں سے کہا کہ آج کی رات تم نے مجھ کو خوب گھمایا پھرایا لیکن میں نے جو کچھ دیکھا ہے اس کی حقیقت سے تو مجھ کو آگاہ کرو؟ ان دونوں نے کہا کہ اچھا کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتاتے ہیں (پھر انہوں نے بیان کرنا شروع کیا کہ) جس شخص کو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دیکھا کہ اس کے کلے چیرے جا رہے تھے وہ ایسا شخص ہے جو جھوٹا ہے، جھوٹ بولتا ہے اور اس کی جھوٹی باتیں نقل و بیان کی جاتی ہیں، جو دنیا میں چاروں طرف پھیلتی ہیں، جن سے لوگ گمراہ ہوتے ہیں چنانچہ اس کے ساتھ وہ سلوک کیا جا رہا ہے جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دیکھا اور اس کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا اور جس شخص کو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دیکھا کہ اس کا سر کچلا جا رہا تھا وہ ایسا شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن سکھایا تھا یعنی اس کو قرآنی علوم سیکھنے کی توفیق عطا فرمائی تھی لیکن وہ شخص اس (قرآن سے) بے نیاز ہو کر رات میں سوتا رہا اور دن میں قرآن کے مطابق عمل نہیں کیا، چنانچہ اس کے ساتھ وہ سلوک کیا جا رہا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دیکھا اور اس کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا اور جن لوگوں کو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تنور میں دیکھا ہے وہ زناکار ہیں اور جس شخص کو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نہر میں دیکھا وہ سود خور ہے (ان سب کو بھی اپنے کئے کی سزا مل رہی ہے اور قیامت تک یوں ہی ملتی رہے گی) اور جس بوڑھے شخص کو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے درخت کی جڑ کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے اور ان کے پاس جو بچے ہیں وہ آدمیوں کی اولاد ہیں اور جو شخص درخت سے کچھ فاصلہ پر آگ جلا رہا ہے وہ دوزخ کا درغہ ہے اور درخت کے اوپر پہلا گھر جس میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) داخل ہوئے تھے وہ (جنت میں عام) مؤمنوں کا مکان ہے اور یہ گھر (جو پہلے گھر سے اوپر واقع ہے) شہداء کا مکان ہے میں جبرائیل (علیہ السلام) ہوں اور یہ جو میرے ساتھ ہیں میکائیل (علیہ السلام) ہیں اور ذرا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اوپر سر اٹھایئے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں کہ) میں نے اپنا سر اوپر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرے اوپر (نہایت بلندی میں) ابر کی مانند کوئی چیز ہے۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ تہ در تہ سفید ابر کی مانند کوئی چیز ہے ان دونوں نے کہا کہ یہ ابر کی مانند جو چیز آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) دیکھ رہے ہیں دراصل جنت میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مکان ہے۔ میں نے کہا کہ تو پھر تم لوگ مجھے چھوڑ دو تاکہ میں اپنے مکان میں چلا جاؤں ان دونوں نے کہا کہ ابھی تو آپ کی عمر باقی ہے جس کو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پورا نہیں کیا ہے جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی عمر کو پورا کر لیں گے تو اپنے مکان میں چلے جائیں

اس روایت میں بار بار آ رہا ہے کہ یہ عذاب مسلسل قیامت تک دیا جاتا رہے گا لیکن فلسفی کا گمان ہے کہ کوئی تمثیلی خواب ہے حقیقت نہیں ہے۔ قرآن میں ہے

(83) فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ

پھر کس لیے روح کو روک نہیں لیتے جب کہ وہ گلے تک آ جاتی ہے۔

(84) وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ

اور تم اس وقت دیکھا کرتے ہو۔

(85) وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ

اور تم سے زیادہ ہم اس کے قریب ہوتے ہیں لیکن تم نہیں دیکھتے۔

ان آیات سے فلسفی نے استخراج کیا ہے کہ اللہ تعالی مخلوق کے ساتھ ہی ہیں۔ اس طرح اس نے ایک جھمی عقیدہ اختیار کیا ہے۔ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ کو قرب باری پر تشبیہات کہا جاتا ہے یعنی اللہ تعالی اپنے علم کی وجہ سے مخلوق سے قریب ہیں نہ اپنی ذات کے حساب سے – اگر ہم یہ مان لیں کہ اللہ تعالی اسی زمین میں بھی ہیں تو تمام عالم بشمول ہم سب لا فانی ہو جائیں گے کیونکہ اللہ کی ذات ہم میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ اشاعرہ کے علماء نے اس بنا پر ان آیات کی تاویل کا حکم کیا ہے –

فلسفی کے نزدیک اللہ تعالی مخلوق سے الگ نہیں ہیں لہذا روح کو آسمان پر لے جانے کی ضرورت نہیں ہے

رسالہ میں اس فلسفی کے عقائد کو اشکالات کی صورت میں پیش کیا گیا ہے جن کے جواب دیے گئے ہیں

ابو شہریار

۲۰۱۹

مغالطہ فلاسفہ

فلسفی نے کہا

جناب طبعی حیوانی جسم سے روح قیامت تک کیلیئے نکل جاتی ہے۔ لیکن اس طبعی حیوانی جسم کا ایک مردار و بے روح حصہ قیامت تک محفوظ رہتا ہے جو کہ عجب الذنب کہلاتا ہے۔ وہ وجود جو عذاب قبر سہتا ہے وہ اسی مردار و محفوظ عجب الذنب کے اندر روح + تراب کی اسی شکل میں ہوتا ہے جس شکل میں اس نے عرفات کے میدان میں عہد الست دیا تھا۔ ہر انسان کی اصل قبر یہی محفوظ و مردار عجب الذنب ہے جس کے اندر وہ عذاب یا راحت پاتا ہے

جواب

آپ نے یہ عقیدہ اختیار کیا ہے کہ روح عجب الذنب میں سمٹ جاتی ہے۔ عود روح ہوا یا نہیں اس بحث کو چھوڑ کر آپ نے خود ساختہ عقیدہ کو اپنایا جو قرآن کی آیات سے متصادم ہے۔ اس عقیدے میں کہا جا رہا ہے موت کے عمل میں روح کو عجب الذنب میں ہی قید کر دیا گیا اور اس موت کے عمل کو انسان کی موت نہیں زندگی ہی کہا جائے گا جو صور تک ہو گی۔

اس فلسفہ پر راقم کا کہنا ہے کہ یہ باطل فلسفہ وفات النبی کے روز کسی صحابی کو یہ نہیں سوجھا کہ کوئی عمر رضی اللہ عنہ سے کہتا کہ اے عمر کیوں مسجد میں شور کرتے ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح تو انکی عجب الذنب میں ہی رہ گئی فرشتے خالی ہاتھ لوٹ چکے ہیں لیکن ہم تک علم آ چکا کہ جو محمد کا پجاری تھا وہ جان لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو موت آ چکی اور اللہ الحیی القیوم ہے۔ آپ کے اقوال کو اگر قبول کر لیں تو ان کی روشنی میں سلیمان علیہ السلام کی روح بھی عجب الذنب میں پھنس گئی، فرشتے خالی ہاتھ لوٹ گئے۔ جنات لیکن صحیح عقیدہ رکھتے تھے کہ سلیمان کی روح اب جسد میں نہیں کاش ہم کو پہلے معلوم ہو جاتا۔ قرآن نے بھی انکی تائید کی کہ ہاں تم اگر غیب کو جانتے تو سمجھ لیتے کہ سلیمان وفات پا چکے۔ قرآن نص قطعی ہے اور حجت ہے اس کے مقابلے پر اخبار احاد کی غلط تاویل کر کے اپنے گمراہ نظریات کو تراشنا ایک غلط بات ہے۔

جو چاہے قرآن و حدیث کا تقابل کر کے جان لے۔

قرآن کہتا ہے

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتَابٌ حَفِيظٌ

بلا شبہ ہم جانتے ہیں جو زمین ان کے جسموں میں سے کم کرتی ہے اور ہمارے پاس محفوظ کتاب ہے

حدیث میں ہے کہ انسان کا جسم زمین کھا جاتی ہے سوائے عجب الذنب کے لیکن اس روایت میں اس میں کوئی دلیل نہیں کہ یہ عجب الذنب زندہ ہوتی ہے بلکہ اللہ تعالی قرآن میں خاص طور پر ذکر کرتے ہیں کہ وہ ہڈی کو زندہ کریں گے۔

مسند الحمیدی میں ہے کہ کعب بن مالک أَنَّهُ لَمَّا حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ، کہ جب ان کی وفات کا وقت تھا اور مسند احمد میں ہے

حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ قَالَتْ أُمُّ مُبَشِّرٍ لِكَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، وَهُوَ شَاكٍ اقْرَأْ عَلَى ابْنِي السَّلَامَ، تَعْنِي مُبَشِّرًا، فَقَالَ يَغْفِرُ اللهُ لَكِ يَا أُمَّ مُبَشِّرٍ، أَوَلَمْ تَسْمَعِي مَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " إِنَّمَا نَسَمَةُ الْمُسْلِمِ طَيْرٌ تَعْلُقُ فِي شَجَرِ الْجَنَّةِ حَتَّى يُرْجِعَهَا اللهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَى جَسَدِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ " قَالَتْ صَدَقْتَ، فَأَسْتَغْفِرُ اللهَ

اِم بشر بنت البراء بن معرور آئیں اور کعب سے کہا میرے (فوت شدہ) بیٹے کو سلام کہیے گا (یعنی جنت جب ملاقات ہو) اس پر کعب نے کہا اللہ تمہاری مغفرت کرے کیا تم نے سنا نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلم کی روح، پرندہ ہے جنت کے درخت پر لٹکتی ہے یہاں تک کہ روز محشر اللہ اسکو اس کے جسد میں لوٹا دے ام مبشر نے کہا سچ کہا میں اللہ سے مغفرت طلب کرتی ہوں

معلوم ہو گیا کہ مومن کی روح عجب الذنب میں نہیں، جنت میں رہتی ہے اور کافر کی جہنم میں

فلسفی نے جوابا کہا

محترم ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ نبی ص نے بھی اور سلیمان ع نے موت کا ذائقہ چکھا۔ اور برزخ کی سرحد کے دوسری طرف چلے گئے۔ اب ان سے ہم طبعی عالم کے اصولوں کے تحت جینے والے اس لئے رابطہ نہیں کر سکتے کیونکہ درمیان میں برزخ آ گئی۔ وہ برزخ کی دوسری جانب اپنے فوق الطبعی عالم کے اصولوں کے تحت محسوس کرتے ہیں، بولتے ہیں، عذاب وراحت سہتے ہیں۔ لیکن ہم ان کو نہیں سنا سکتے۔ نہ ان کا کہا سن سکتے ہیں۔ یہ میرا خود ساختہ موقف نہیں ہے بلکہ بخاری نے باقاعدہ باب باندھ کر بیان کیا ہے کہ وفات یافتہ شخص جنازے پر کلام کرتا ہے۔ ہم میں سے کون ہے جو بخاری کے اس باب یعنی نبی کریم ص کے سو فیصد قول کو جوں کا توں اور من و عن تسلیم کر رہا ہے اور کون جان چھڑا کر بھاگنا چاہ رہا ہے؟

جناب آپ نے ارشاد فرمایا کہ۔

قرآن کہتا ہے

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتَابٌ حَفِيظٌ

بلا شبہ ہم جانتے ہیں جو زمین ان کے جسموں میں سے کم کرتی ہے اور ہمارے پاس محفوظ کتاب ہے

-حدیث میں ہے کہ انسان کا جسم زمین کھا جاتی ہے سوائے عجب الذنب کے

اس میں کوئی دلیل نہیں کہ یہ عجب الذنب زندہ ہوتی ہے بلکہ اللہ تعالی قرآن میں خاص طور پر ذکر کرتے ہیں کہ وہ ہڈی کو زندہ کریں گے

محترم میں کب کہہ رہا ہوں کہ عجب الذنب میں روح موجود رہتی ہے۔ روح مردار عجب الذنب کے اندر موجود تراب سے بنے اس منخنی جسم میں موجود ہوتی ہے جو ہر انسان کو عہد الست کے وقت میسر تھا۔ عجب الذنب کی مردار و بے روح ہڈی تو قبر کا کام انجام دیتی ہے۔ روح + تراب پر مشتمل اصل نفس ہی وہ اصل وجود ہے جو عہد الست سے لے کر پہلے صور تک

مسلسل اپنی پہلی زندگی کا دورانیہ گزارتا ہے۔ پہلے صور سے دوسرے صور تک اس کی دوسری موت کا دورانیہ گزرے گا۔ جبکہ دوسرے صور سے اس کی دوسری زندگی کا دورانیہ شروع ہوگا۔

آپ نے ارشاد فرمایا۔

أم بشر بنت البراء بن معرور آئیں اور کعب سے کہا میرے (فوت شدہ) بیٹے کو سلام کہیے گا (یعنی جنت جب ملاقات ہو) اس پر کعب نے کہا اللہ تمہاری مغفرت کرے کیا تم نے سنا نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلم کی روح ، پرندہ ہے جنت کے درخت پر لٹکتی ہے یہاں تک کہ روز محشر اللہ اسکو اس کے جسد میں لوٹا دے ام مبشر نے کہا سچ کہا میں اللہ سے مغفرت طلب کرتی ہوں

۔ معلوم ہو گیا کہ مومن کی روح عجب الذنب میں نہیں جنت میں رہتی ہے اور کافر کی جہنم میں

محترم آپ کے ساتھ بھی اور ڈاکٹر عثمانی کے ساتھ بھی ایک شدید جہالت لگی ہوئی ہے کہ آپ عالم امر کو اور عالم امر کے اصولوں کے تحت چلنے والے واقعات کو بھی زبردستی عالم خلق یعنی طبعی عالم کے اصولوں کے تحت ہی لا کر دیکھنا اور سمجھنا چاہتے ہیں۔ جبکہ ان دونوں عالموں میں بنیادی نوعیت کا فرق ہے۔

ہم طبعی عالم خلق کی مخلوق ہیں۔ جو کہ وقت ، کمیت اور فاصلے کی بنیاد پر قائم ہے۔ لہٰذا ہمارا ایٹموں ، خون ، گوشت اور طبعی مادے سے بنا مغز، اور جسم اور محسوسات و مشاہدات۔ سب وقت ، کمیت اور فاصلے کی قیود سے محدود ہیں۔ لیکن عالم امر۔ انما امرہ اذا اراد شئیا ان یقول لہ کن فیکون۔ کے اصولوں کے تحت چلتا ہے۔

ا۔ اللہ ہر مرنے والے کے اس کے عزیزوں سے بھی قریب ہوتا ہے۔ لیکن عزیز۔ ولکن لا تبصرون۔ اللہ کو نہیں دیکھ پا رہے ہوتے۔ مقام یہی زمین ہے۔ ہماری نگاہوں کے سامنے لیکن معاملہ عالم امر کے اسولوں کے ٹحت ہوتا ہے اس لئے ہم مشاہدہ و ادراک نہیں کر سکتے۔

۲۔ چند سیکنڈ یا منٹوں میں نبی ص کو معراج ہو جاتی ہے۔ جو کہ طبعی عالم کے اسولوں کے تحت ممکن نہیں ہو سکتی۔

۳۔ ایک عام شخص پلک جھپکنے میں ملکہ کا تخت کوسوں میل دور سے کوسوں میل دور کسی اور جگہ پہنچا دیتا ہے۔ کیونکہ اس کو کتاب کا وہ علم حاصل ہو جاتا ہے جس سے وہ بھی وقت، کمیت اور فاسلے کی قیود سے آزاد ہو کر۔ عالم امر کے اصولوں کے تحت معاملہ کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

۴۔ ہر انسان کی اصل قبر اس کی مردار و محفوظ عجب الذنب ہی ہوتی ہے۔ عذاب و راحت قبر کے سارے اسباب، جھنمیں اور جنتیں،، عرش و کرسی کی رسائی سب وہیں عجب الذنب کے اندر کر دی جاتی ہے۔ لیکن اس چیز کو ہم طبعی عالم کے اصولوں کے تحت نہیں سمجھ سکتے اس لئے ہمیں سمجھانے کیلئے تمثیل کے پیرائے میں بیان کیا جاتا ہے۔ جو کہ اصل اور ہو بہو حقیقت نہیں ہوا کرتی۔

قرآن سے صاف پتہ چلتا ہے کہ انسان شروع سے آخر تک زمین میں ہی رہتا ہے.. یہیں سے نکلا.. اسی کے اوپر جیتا ہے.. اسی میں اترتا ہے اور اسی سے دوبارہ نکلے گا.. یہ اڑتاہ واز مین کی حدود سے نہیں نکلتا بلکہ یہ موت کا ذائقہ چکھ کر جس نئے عالم میں منتقل ہوتا ہے اس عالم میں فاصلہ ہی بے معنی ہے.. جیسے ہی وہ اس عالم سے رابطہ منقطع کر کے نئے عالم میں منتقل ہوتے ہوئے پہلی نگاہ ڈالتا ہے.. اسے پتہ چلتا ہے یہیں اس کے عزیزوں سے بھی نزدیک اللہ اور فرشتے موجود ہیں.. سارا عذاب.. راحت.. اللہ.. جنت.. جھنم.. سب یہیں موجود ہے

یہ آئن اسٹائن تھا جس نے ریاضی کے ذریعہ نظریہ اضافت ثابت کیا کہ۔۔ وقت اور فاصلے کے اصول ہر جگہ ایک سے اپلائی نہیں کئے جا سکتے۔۔ ہمارے لئے وقت کچھ اور معنی رکھ سکتا ہے اور فاصلہ کچھ اور معنی رکھ سکتا ہےئ اور ہمارے ساتھ ہی ایک اور شخص کیلئے وقت اور فاصلہ بالکل دوسرے معنی نہ صرف رکھ سکتے ہیں بلکہ وہ ان کے لحاظ سے. برتاؤ بھی سائنسی طور سے کر سکتا ہے۔۔ آئن ااسٹائن کا نظریہ اضافیت ایک معجزہ تھا جس نے معراج کے واقعہ کو بھی اور ملکہ بلقیس کے تخت لانے کو سچا ثابت کرنے کیلئے ریاضی جیسی ناقابل تردید سائنس سائنس کا ثبوت فراہم کیا۔۔

وہ ایک عام شخص تھا جس کی دسترس میں فوق الطبعی عالم کا سوفٹ ویئر اس طرح آ گیا تھا کہ وہ طبعی عالم میں رہتے ہوئے اسے اپلائی کر سکے۔۔ یعنی خود کو وقت اور فاصلے کے طبعی عالم سے بلند اور ماورا کر کے وقتر اور فاصلے کو ایل آلے کے طور پر استعمال کر سکے۔۔ اس عام شخص نے جسے بقول قرآن کتاب کا علم دیا گیا تھا، پلک جھپکنے میں ملکہ کا تخت کوسوں میل دور سے

کوسوں میل دور پہنچا دیا۔۔ آپ انصاف ستے بتایئے کہ کیا اس شخص نے خود کو وقت ، کمیت اور فاصلے سے بلند کر کے ان سے ایک طرح سے آزاد اپنا عالم نہیں بنا لیا تھا؟ یہی تو نظرہ اضافیت ہے کہ ایسا ریاضی کی رو سے ممکن ہے۔۔ تو وہ ایک عام شخص جسے سوئی کی نوک پر لگے پانی جتنا علم اللہ نے عطا کیا تھا۔۔ جب اس نے فوق الطبعی عالم کے اصولوں کو کامیابی سے عملی طور سے اپیلائی کر لیا تو کیا سات سمندروں جتنی سیاہی جس کی قدرت و اختیار بیان کرنے کیلیئے ختم ہو جائے تب بھی بیان نہ کر سکے کیا وہ خود وقت اور فاصلے کی زنجیروں میں جکڑا کسی مخصوص و محدود جگہ بیٹھا ہو گا؟

جواب

جناب آپ نے دین میں اپنا فلسفہ داخل کرنا شروع کر دیا ہے- قرآن میں کہاں لکھا ہے کہ ایک طبعی عالم ہے اور ایک عالم امر ہے؟ قرآن میں تو سب کائنات کو عالم امر کہا گیا ہے جس میں سورج، چاند، ستارے تمام اللہ کو سجدہ کر رہے ہیں- تمام کا تمام عالم، عالم امر ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔ اور اس عالم کے اصول بھی بیان ہو گئے ہیں کہ اس میں نفس جسم سے اگر نکل جائے تو اس کو عالم بالا لے جایا جاتا ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث ہے۔

صحیح مسلم کی روایت ہے جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ الْقَوَارِيرِيُّ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، حَدَّثَنَا بُدَيْلٌ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَقِيقٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ «إِذَا خَرَجَتْ رُوحُ الْمُؤْمِنِ تَلَقَّاهَا مَلَكَانِ يُصْعِدَانِهَا» – قَالَ حَمَّادٌ فَذَكَرَ مِنْ طِيبِ رِيحِهَا وَذَكَرَ الْمِسْكَ – قَالَ ” وَيَقُولُ أَهْلُ السَّمَاءِ رُوحٌ طَيِّبَةٌ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ الْأَرْضِ، صَلَّى الله عَلَيْكِ وَعَلَى جَسَدٍ كُنْتِ تَعْمُرِينَهُ، فَيُنْطَلَقُ بِهِ إِلَى رَبِّهِ عَزَّ وَجَلَّ، ثُمَّ يَقُولُ انْطَلِقُوا بِهِ إِلَى آخِرِ الْأَجَلِ ۔، قَالَ ” وَإِنَّ الْكَافِرَ إِذَا خَرَجَتْ رُوحُهُ – قَالَ حَمَّادٌ وَذَكَرَ مِنْ نَتْنِهَا، وَذَكَرَ لَعْنًا – وَيَقُولُ أَهْلُ السَّمَاءِ رُوحٌ خَبِيثَةٌ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ الْأَرْضِ. قَالَ فَيُقَالُ انْطَلِقُوا بِهِ إِلَى آخِرِ الْأَجَلِ ۔، قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَرَدَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَيْطَةً كَانَتْ عَلَيْهِ، عَلَى أَنْفِهِ، هَكَذَا

عبیداللہ بن عمر قواریری حماد بن زید بدیل عبداللہ بن شقیق ، ابوہریرہ (رض) سے روایت ہے کہ جب کسی مومن کی روح نکلتی ہے تو دو فرشتے اسے لے کر اوپر چڑھتے ہیں تو آسمان والے کہتے ہیں کہ پاکیزہ روح زمین کی طرف سے آئی ہے اللہ تعالیٰ تجھ پر اور اس جسم پر کہ جسے تو آباد رکھتی تھی رحمت نازل فرمائے پھر اس روح کو اللہ عزوجل کی طرف لے جایا جاتا ہے پھر اللہ فرماتا ہے کہ تم اسے آخری وقت کے لئے لے چلو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کافر کی روح جب نکلتی ہے تو آسمان والے کہتے ہیں کہ خبیث روح زمین کی طرف سے آئی ہے پھر اسے کہا جاتا ہے کہ تم اسے آخری وقت کے لئے لے چلو -

ابوہریرہ (رض) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی چادر اپنی ناک مبارک پر اس طرح لگالی تھی۔

اس روایت کے مطابق کافر کی روح بھی آسمان میں جاتی ہے اور اس کو واپس جسد میں لوٹانے کا ذکر نہیں اس کی سند بھی صحیح ہے اور ابوہریرہ کی حدیث ہے

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "انسان کے جسم کی ہر چیز سڑ گل جاتی ہے، سوائے ایک ہڈی کے اور وہ عجب الذنب (ریڑھ کی آخری ہڈی) ہے، اور اسی سے قیامت کے دن انسان کی پیدائش ہو گی۔۔

ان دو کو ملا آپ نے کھچڑی جو انسان ساختہ عالموں کی بیان کی ہے وہ قابل رد ہے۔

جبکہ آپ کا فلسفہ کہتا ہے

قرآن سے صاف پتہ چلتا ہے کہ انسان شروع سے آخر تک زمین میں ہی رہتا ہے.. یہیں سے نکلا.. اسی کے اوپر جیتا ہے.. اسی میں اترتا ہے اور اسی سے دوبارہ نکلے گا.. یہ اڑتاہ وازمین کی حدود سے نہیں نکلتا بلکہ یہ موت کا ذائقہ چکھ کر جس نئے عالم میں منتقل ہ وتا ہے اس عالم میں فاصلہ ہی بے معنی ہے.. جیسے ہی وہ اس عالم سے رابطہ منقطع کرکے نئے عالم میں منتقل ہ وتے ہ وئے پہلی نگاہ ڈالتا ہے.. اسے پتہ چلتا ہے یہیں اس کے عزیزوں سے بھی نزدیک اللہ اور فرشتے موجود ہیں.. سارا عذاب.. راحت.. اللہ.. جنت.. جھنم.. سب یہیں موجود ہے

اس حدیث سے بلکہ متعدد احادیث سے اس فلسفہ کا رد ہوتا ہے۔ جنت، جہنم، اللہ یہ سب عالم ارضی میں نہیں ہیں –

وقت، فاصلہ ہمارے اس عناصر کے جسم کے لئے ہے اور مردہ جسم بھی اس کی عجب الذنب بھی عناصر والے جسم پر مبنی ہے۔ وقت اور فاصلہ فرشتوں کے لئے نہیں ہے۔ یہاں تک کہ جنات بھی فاصلوں کو ہم سے زیادہ طے کر لیتے ہیں – لیکن وقت اور فاصلوں پر آئن اسٹائن کا نظریہ اضافیت ابھی تک سائنس میں بھی ایک نظریہ ہے حقیقت یا قانون نہیں ہے۔ افسوس آپ نے اس کو قرآن کی مانند ایک حقیقی شی بنا کر پیش کر دیا ہے۔

فلسفی نے جوابا کہا

الحمد لله رب العالمين . تمام تعریفیں اللہ کیلئے جو تمام عالموں کا رب ہے۔ معلوم ہوا عالم ایک سے زیادہ ہیں

الرحمان الرحیم وہ طبعی عالم کے لئے رحمان اور عالم امر کے لحاظ سے رحیم ہے

لہ الخلق ولہ الامر

عالم خلق بھی اسی کا ہے اور عالم امر بھی اسی کا ہے

عالم امر کے لحاظ سے إنما امرہ اذاارادشئیاان یقول لہ کن فیکون . وہ کن کہتا ہے اور ہو جاتا ہے یعنی وقت بے معنی

جب کہ عالم خلق کے لحاظ سے فی ستہ ایام چھے دن میں تخلیق کیا

الغرض جب تک آپ عالم امر کے اصولوں اور عالم خلق کے اصولوں اور ان کے فرق کو مد نظر رکھ کر نہیں چلیں گے بھٹک جائیں گے

جواب

امر اور خلق جدا نہیں ہیں۔ جس عالم میں ہم ہیں اس میں ہر وقت امر نازل ہوتا ہے۔ رب العالمین میں العالمین سے مراد ہے جنت کا عالم، جہنم کا عالم، زمین کا عالم، آسمان اول کا عالم، دوم کا عالم وغیرہ۔ آپ کا مفروضہ ہے کہ عالم مخلوق اور عالم امر الگ ہیں جو قابل رد ہے۔ ہر مقام پر مخلوق ہے اور ہر مقام پر اللہ کا امر آ رہا ہے۔

فلسفی نے جوابا کہا

خلق اور اِمر یقیناً ایک ہی عالم ہیں سب جگہ اللہ کا ہی قانون چلتا ہے لیکن خلق یعنی عالم طبعی کے معاملات وقت، کمیت اور فاصلے کے اصول کے تحت چلتے ہیں جو کہ انسان کی دسترس میں ہیں جبکہ عالم امر کے اصولوں کے تحت جو معاملات چلتے ہیں وہ اس وقت تک ہماری دسترس میں نہیں ہیں جب تک ہمارے لئے خصوصی اہتمام نہ کیا جائے

1. فرشتے ہمارے کاندھوں پر موجود ہیں لیکن انکی موجودگی اور ان کی ڈیوٹی عالم امر کے اصولوں کے تحت ہے اس لئے ہم مقام سے واقف ہیں مقام کا انکار نہیں کر سکتے کہ مقام ہمارے کاندھے ہیں لیکن ہم کیفیت کا ادراک کرنے کی اہلیت اس وقت تک نہیں رکھتے جب تک ہم طبعی عالم کے اصولوں میں گرفتار رہتے ہیں

2. جس وقت ایک مرنے والا مر رہا ہوتا ہے تو اللہ اور فرشتے یہیں زمین پر ہم سے بھی قریب موجو ہوتے ہیں لیکن وہ اپنے معاملات عالم امر کے اصولوں کے تحت سرانجام دے رہے ہوتے ہیں ہم مقام کا انکار نہیں کر سکتے لیکن کیفیت کا ادراک کرنے کی اہلیت ہی ہم میں نہیں ہے اللہ کہتا ہے ولکن لا تبصرون تم ہمیں نہیں دیکھ پا رہے ہوتے

. ایک شخص، اس کا کھانا اور اس کا گدھا زمین کے ایک ہی مقام پر موجود تھے لیکن وہ شخص اور اس کا کھانا طبعی عالم کے وقت اور فاصلے کے اصول سے آزاد ہو گئے جب کہ اس کا گدھا بدستور عالم طبعی کے اصولوں کے تحت ہی رہا سو سال بعد گدھا پنجر بن گیا جب کہ کھانا اور وہ شخص جوں کے توں رہے

جواب

جب یہ ایک ہی عالم ہے تو اس پر الگ الگ فلسفہ کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ آپ نے کہا جب مرنے والا مر رہا ہوتا ہے اللہ قریب ہوتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اللہ اپنے علم کے ساتھ سب جانتا ہے۔ لیکن اس عالم کا نظم یہ ہے

ثم إنكم بعد ذلك لميتون ثم إنكم يوم القيامة تبعثون

پھر اس کے بعد تم کو موت دی جائے گی پھر تم قیامت کے دن اٹھو گے

اس سے قبل عجب الذنب میں روح کاآنا ایک باطل تصور ہے جو آپ نے قائم کیا ہے۔

یعنی سب کی روحیں اسی زمین میں ہیں-جنت و جہنم تو خالی ہیں یہ قول باطل ہے۔

فلسفی نے جوابا کہا

ہمارے ساتھ ساتھ ، گردوپیش ، فوق الطبعی معاملات بھی چلتے رہتے ہیں۔ جیسے فرشتے ہمارے کاندھوں پر ریکارڈ کرتے اور ڈیوٹیاں بدلتے رہتے ہیں، ملکہ کا تخت پلک جھپکنے میں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتا ہے، جان نکالنے والے فرشتے، جنات وغیرہ سب ہمارے ساتھ ساتھ ہوتے ہیں لیکن ہم ان معاملات کاادراک نہیں کر سکتے۔

لیکن فوق الطبعی عالم کے معاملات میں ہم کیفیت سے کبھی بھی مطلع نہیں ہو سکتے ہاں مقام سے آگہی ممکن ہو سکتی ہے۔ یہ نکتہ انتہائی اہم ہے اس لئے کچھ مثالوں سے وضاحت کرنا چاہوں گا۔

فوق الطبعی معاملات میں کیفیت اور مقام

۱۔ فرشتے ہمارے کاندھوں پر ریکارڈ کرتے ہیں۔ ہم کیفیت سے کبھی بھی مطلع نہیں ہو سکتے ہاں مقام سے آگاہ ہیں۔ یعنی مقام ہمارے کاندھے۔

۲۔ ملکہ کا تخت ایک مقام سے دوسرے مقام پر پلک جھپکتے میں پہنچتا ہے۔ ہم کس طرح یا کیفیت سے کبھی بھی مطلع نہیں ہو سکتے۔ لیکن مقامات سے آگاہ ہیں کہ کس مقام سے کس مقام پر تخت پہنچا۔

۳۔ موسی ع کا عصا انکے سامنے سانپ بن جاتا تھا، معاملہ فوق الطبعی ، کیفیت نہیں سمجھی جا سکتی، ہاں مقام سے آگہی ہے۔

۴۔ معراج کا سفر مسجد حرام سے مسجد اقصی تک۔ مقامات معلوم، معاملہ فوق الطبعی ، کیفیت نا معلوم۔

۵۔ ابراہیم ع نے چار پرندوں کے ٹکڑے رکھے، آواز دینے پر وہ زندہ چلے آئے۔ معاملہ فوق الطبعی، کیفیت ہم نہیں سمجھ سکتے، مقامات سے ہم آگاہ یعنی جس مقام پر بھی پرندوں کے ٹکڑے رکھے گئے۔

مزید بہت ساری مثالیں دی جاسکتی ہیں لیکن سمجھنے کیلئے اتنا بھی کافی ہے۔

ان سے جو نتیجہ نکلتا ہے مجھے یقین ہے کہ ہر غیر متعصب کلمہ گو میرے اس نتیجے کو تسلیم کرے گا کہ۔

فوق الطبعی معاملات میں ہمیں۔

ا۔ کسی طور بھی کیفیت اور کس طرح کے چکر میں نہیں پڑنا چاہئے کیونکہ یہ میدان ہمارا نہیں ہے۔

۲۔ ہاں اگر مقامات ہمارے زمین کے ہی ہوں تو ان مقامات کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

وقت اور فاصلے کا تصور صرف ہمارے طبعی عالم میں ہی ہے۔ فوق الطبعی عالم میں وقت اور فاصلے بے معنی سے ہو کر رہ جاتے ہیں۔

اللہ کہاں ہے؟ کیا ہر جگہ موجود ہے؟ یا عرش پر ہے؟ یا اس کی ذات اور وجود تو عرش پر ہے لیکن اس کا علم ہر جگہ ہے۔

ہمارا ایسا سوچنا ہی بتلا رہا ہے کہ ہم طبعی عالم کے وقت، کمیت اور فاصلے کی زنجیروں سے آزاد ہو کر سوچنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتے۔ اللہ نے وقت کو پیدا کیا ہے۔ اس نے فاصلے کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کسی طور بھی ان چیزوں سے محدود نہیں ہے۔ آپ بہت فاش غلطی کرتے ہیں اگر اس کو عرش تک محدود کرتے ہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ جو عرش اور آسمانوں کی بابت بتلایا جاتا ہے۔ یہ سب محض ایک مثال کی صورت میں۔ تمثیل کے پیرائے میں۔ ہمیں بتایا جاتا ہے۔ جبکہ ہو بہو کیفیت کا ادراک ہم کر ہی نہیں سکتے۔ اللہ کی ذات بھی ہر جگہ موجود ہے۔ اس کا علم بھی ہر جگہ موجود ہے۔ اس کی جنت اور جہنم اور عرش اور کرسی سب کی رسائی ہر جگہ ہر وقت موجود ہو سکتی ہے۔

صرف ایک سیدھا سا کلیہ اگر ہم ذہن میں رکھ لیں کہ جس واقعہ یا معاملے کی بابت بتلایا جا رہا ہے۔ آیا وہ واقعہ طبعی عالم کے اصولوں کے تحت ہے یا فوق الطبعی عالم کے تحت؟ اگر طبعی عالم تو پھر تو ٹھیک ہے۔ لیکن اگر فوق الطبعی عالم کا معاملہ ہے تو پھر اصل کیفیت اور ہو بہو حقیقت سے ہم کبھی بھی آگاہ نہیں ہو سکتے۔

اللہ ہر مرنے والے کے پاس اس کے عزیزوں سے بھی نزدیک موجود ہوتا ہے۔ اللہ فاصلے کی زنجیروں میں جکڑا دور دراز کسی عرش تک محدود نہیں ہے۔ اللہ نے فاصلے اور وقت کو پیدا کیا ہے۔ ایک وقت میں لاکھوں انسان زمین کے مختلف مقامات پر مر رہے ہوتے ہیں۔ اللہ ہر مقام پر اس کے عزیزوں سے بھی نزدیک موجود ہوتا ہے۔ اسی طرح جنت، جھنم، عرش، کرسی، عذاب و راحت قبر۔ سب کے سب فوق الطبعی عالم کے اصولوں کے تحت ہونے والے معاملات ہیں جن کی ہو بہو کیفیت کا ادراک ہم کر ہی نہیں سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ قرآن میں عذاب قبر کی کیفیات بیان ہی نہیں کرتا۔ شہیدوں کے بارے میں صرف اتنا کہتا ہے کہ وہ رزق پاتی زندگی گزار رہے ہیں۔ لیکن اس زندگی کی کیفیت کا بارے میں صاف کہتا ہے کہ۔ ولکن لا تشعرون۔ تم میں اہلیت ہی نہیں کہ انکی زندگی کا ادراک کر سکو۔ معراج کے واقعہ کی تفصیل قرآن نہیں بتاتا صرف مقامات بتا دیتا ہے۔

یوسف ع نے گہری نیند میں اس اصل حقیقت کا مشاہدہ کیا کہ ایک وقت انکی بادشاہی میں انکے والدین اور گیارہ بھائی انکے آگے موجود ہوں گے لیکن یہ مشاہدہ انکے نفس نے فوق الطبعی عالم کے اصولوں کے تحت کیا تھا جب آنکھ کھلی تو غیب کے پردے کی وجہ سے ایسا ہونا ممکن ہی نہ تھا کہ انہیں فوق الطبعی عالم کی اصل حقیقت جوں کی توں یاد رہ پاتی اس لئے آنکھ کھلنے پر انہیں اصل حقیقت ایک مماثل کیفیت میں اور تمثیل کے پیرائے میں یوں یاد رہی گویا سورج اور چاند اور گیارہ ستارے انہیں سجدہ کر رہے ہیں

احادیث میں جتنی بھی فوق الطبعی عالم کی کیفیات و تفصیلات بیان ہوئی ہیں وہ جوں کی توں اصل کیفیات نہیں ہیں اور نہ ہو سکتی ہیں جیسے عذاب قبر کی کیفیات سب تمثیل کے پیرائے میں ہی بیان کی گئی ہیں

جب پکی موت کا وقت آ جاتا ہے تو اب نفس کو طبعی جسم سے اور طبعی عالم سے مستقل خارج ہونے کا حکم ملتا ہے یہ کوئی معمولی پراسس نہیں ہوتا اس کام کیلئے اللہ کی براہ راست موجودگی بھی ضروری ہوتی ہے اور ہر طبعی جسم سے خارج ہونے

والے نفس (اخرجوا انفسکم) کیلئے اللہ اور فرشتے بھی موجود ہوتے ہیں اس کا بیان سورت الانعام اور سورت الواقعۃ میں دیکھا جاسکتا ہے خارج ہونے کے بعد نفس اپنے قیامت تک کے محفوظ ٹھکانے عجب الذنب میں مقید و محدود ہو جاتا ہے اور اسی ارادی واختیاری حرکت سے محروم میت کی حالت میں ہو جاتا ہے نفس کی بدستور پہلی زندگی جاری رہتی ہے کیونکہ روح اور اصل جسم حقیقی کا ملاپ قائم رہتا ہے. میت کی حالت میں نفس جنازے پر کلام کرتا ہے. پھر عجب الذنب کے ساتھ زمینی قبر میں اتر کر جوتوں کی چاپ سنتا ہے یہ سب. برزخ کی سرحد کے پار فوق الطبعی اصولوں کے تحت ہوتا ہے

میں جو کچھ بھی عرض کر رہا ہوں وہ عقل، قرآن، منطق، حدیث سب کی روشنی میں مکمل دلیل کے ساتھ کہہ رہا ہوں۔ لیکن افسوس ڈاکٹر عثمانی صاحب نے وہی بنیادی جہالت کا مظاہرہ کیا جو کہ اکثر دیگر مذاہب کے لوگ بھی کرتے چلے آئے ہیں ڈاکٹر عثمانی صاحب نے اللہ کو بھی اور عالم امر کے واقعات کو بھی زبردستی طبع عالم کے وقت اور فاصلے کی زنجیروں میں جکڑ کر نتائج نکالنا شروع کر دیے۔ معاذ اللہ، اللہ بھی دور دراز کسی عرش پر طبع عالم کی کیفیت کے عین مطابق مجبور بیٹھا ہے۔ بے چارے کو علم تو ہے لیکن فرشتوں کا محتاج ہے کہ فرشتے اس تک مخلوق کو لے کر پہنچیں۔ اگر ایسا ہی ہے تو اللہ تو خود فاصلے کے لحاظ سے محدود چیزوں کی مثل ہی ہو کر رہ جاتا ہے جبکہ اللہ خود کہتا ہے کہ۔ لیس کمثلہ شئی ۔ وہ کسی چیز، مخلوق کی مانند نہیں ہے۔ وہ یکتا، احد ہے۔

پس اللہ ہر مرنے والے، ہر زندہ، ہر انسان کے پاس واقعی اس کی شہہ رگ سے بھی قریب موجود ہوتا ہے۔ اور یہ عالم امر کے اصولوں کے تحت ہوتا ہے۔

ا۔ ہر مرنے والے کے قریب تو اللہ ہوتا ہی ہے جب اللہ کہتا ہے کہ۔ ولکن لا تبصرون۔ تم ہمیں نہیں دیکھ پا رہے ہوتے۔ اگر اللہ موجود نہ ہوتا بلکہ صرف اس کا علم ہوتا تو اس جملے کی کوئی منطق نہیں بنتی تھی کہ تم ہمیں نہیں دیکھ پا رہے ہوتے۔

۲۔ اگلے مرحلے میں دیکھئے فرشتے مرنے والے سے۔ اخرجوا انفسکم۔ کہتے ہیں۔ میرے نزدیک بات بالکل صاف ہے۔ نفس سے مراد وہی عالم امر کا اصل انسان ہے جو روح + تراب پر مبنی ہے جسے اب عالم طبعی کے اصولوں سے انتقال کر کے عالم امر کے اصولوں کے تحت آنا ہوتا ہے۔ فرشتے اسی نفس کو خارج کرنے کا کہتے ہیں۔ فرشتے ہوتے ہی عالم امر کے اصولوں کے تحت ہیں،، ہمارے کاندھے کے فرشتے بھی عالم امر کے تحت ہوتے ہیں لیکن ہم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔ نفس خارج ہو کر،

انتقال کرکے مردار و محفوظ عجب الذنب میں مقید و محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔ عجب الذنب ہی ہر انسان کی اصل قبر ہوتی ہے۔ یہیں عذاب و راحت کے سارے معاملات فوق الطبعی اصولوں کے تحت انجام پاتے ہیں۔

۳۔ اگلے مرحلے میں دیکھئے اسی مردار و محفوظ عجب الذنب یعنی اپنی اصل قبر میں موجوف نفس کو جنازے پر لے جایا جاتا ہے وہ محسوس کرتا ہے۔ اب اس کے محسوسات، اس کا وجود، اس کا بولنا، اس کا سننا، برزخ کی سرحد کے پار عالم امر کے اصولوں کے تحت ہوتا ہے۔ وہ پوچھتا ہے کہ مجھے کہاں لے کر جا رہے ہو۔ لیکن برزخ کی وجہ سے ہم اس کا کہنا نہیں سن سکتے۔ ڈاکٹر عثمانی صاحب شدید مشکل رہے۔ انکے پاس سوائے اس کے کہ اس حدیث کی ٹانگیں توڑیں، عجیب و غریب تاویلیں پیش کریں اور کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔ بنیادی غلطی وہ کر ہی چکے ہیں کہ عالم امر کے واقعات و معاملات کو بھی زبردستی، وقت اور فاصلے کی زنجیروں میں جکڑے طبع عالم کے اصولوں کے تحت ہونے والے واقعات کے مطابق لا کر ہی نتیجے نکالیں۔ بخاری نے باقاعدہ باب باندھ کر اس سچائی کو بیان کیا کہ وفات یافتہ وجود جنازے پر کلام کرتا ہے، اس کے کلام کو جن و انس کے علاوہ ہر مخلوق سنتی ہے۔ لیکن عثمانی صاحب نے جو غلط تصویر بنالی ہے وہ تصویر انہیں مجبور کرتی ہے کہ بخاری کے اس باب کا انکار کروائے۔

ہم میں سے کون ہے جو قوی حدیث کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے اور کون ہے جو قوی حدیث کو زبردستی خلاف قرآن قرار دے کر اس کی ٹانگیں توڑتا ہوا چلنے کی کوشش کر رہا ہے؟ بخاری نے سو فیصد درست لکھا ہے کہ۔ نبی ص نے معراج کی معجزانہ رات کے بات جو بھی یاد رہا اس کو جوں کا توں بیان کیا کہ۔ سارے زانی ایک ہی آگ کے تنور میں ہیں اور آگ کی لپٹوں کے ساتھ اوپر آتے ہیں۔ یہ چند سیکنڈ کی معجزانہ کاروئی کے بعد جو بھی نبی ص کو یاد رہا، وہ انہوں نے بیان کیا۔ بخاری نے اسی کو نقل کیا اور سو فیصد درست نقل کیا۔ اصل سوال یہ ہے کہ جو نبی ص کو یاد رہا وہ ہو بہو تھا؟ یا مثالی کیفیت تھی؟

دو ہی امکانات بنتے ہیں کہ

۱۔ آگ کا تنور واقعی موجود تھا۔

۲۔ تنور موجود نہ تھا، نبی ص کو ایک مماثل کیفیت میں یاد رہا۔

اگر آگ کا تنور واقعی موجود تھا۔ تو پھر یہ طے شدہ ہے کہ تنور مستقبل میں جہنم میں ہونے والے حساب کتاب کے بعد کے اصل عذاب کو ظاہر کر رہا تھا۔ کیونکہ آگ میں جھونکے جانے کا عذاب قرآن کے بقول حساب کتاب کے بعد جہنم میں جھونکے جانے کے بعد ہی دیا جائے گا۔

اگر آگ کا تنور واقعی موجود نہ تھا بلکہ تھا یہ عذاب قبر ہی لیکن ایک مماثل کیفیت میں نبی ص کو ویسے ہی یاد رہا جیسے یوسف ع کو مماثل کیفیت میں یاد رہا کہ سورج اور چاند اور گیارہ ستارے انہین سجدہ کر رہے تھے۔ تو ااس صورت میں نبی ص ایک ایسے معاملے میں جہاں وقت اور فاصلے بے معنی تھے، زمین پر موجود سارے زانیوں کی قبروں میں ہوتے عذاب کو اکھٹا دیکھ چکے تھے۔ گھومتی زمین ہر زانی کی قبر کو ہر بارہ گھنٹے بعد اس سیدھ میں لے آتی ہے جہاں جہنم ہوتی ہے۔ وہ اس وقت جہنم پر پیش ہوتا ہے۔ پھر زمین آہستہ آہستہ سیدھ سے ہٹتی ہے تو زانی گویا تنور کے نیچے جانے لگتا ہے۔ پھر بارہ گھنٹے بعد زمین جہنم کی سیدھ میں پہنچتی ہے۔ اس طرح ہر زانی کی زمینی قبر اسے عذاب سے اوپر اور نیچے مسلسل لاتی رہتی ہے۔ اور وہ ہر بارہ گھنٹے بعد یعنی ہر صبح و شام آگ پر پیش ہوتا رہتا ہے۔ معجزانہ مشاہدے سے واپسی پر نبی ص کو اسی مشاہدے کی یاد اس طرح ذہن میں رہ گئی کہ ایک ہی آگ کا تنور ہے جس میں زانی مسلسل اوپر نیچے ہو رہے ہیں۔

فرض کیا کہ عثمانی صاحب کی بات کو مانا جائے کہ تنور واقعی موجود ہے۔ اور تنور میں مستقبل کا جہنم کا عذاب بھی نہیں دکھایا جا رہا بلکہ قبر کا عذاب ہی دکھایہا جا رہا ہے۔ تو

ا۔ اولا قرآن کی اس بات کی تردید ہوتی ہے کہ باقاعدہ آگ کے اندر جھونکنے کا مرحلہ حساب کتاب کے بعد آئے گا۔

۲۔ ثانیا پھر اس آگ کے تنور میں گردش لیل و نہار اور صبح و شام کا وئی تصور پیدا نہیں ہوتا۔ پس یہاں پھر قرآن کا انکار ہو کر ہی رہتا ہے۔

پس احادیث میں عذاب قبر کی کیفیات بتاتے جتنے بھی واقعات ہیں۔ خون کی نہر ہو، ابراہیم کو دودھ پلانے والی ہو، شہیدوں کی اڑتی زندگی ہو۔ یہ سب ایک تمثیل کے پیرائے میں ہمیں سمجھانے کیلئے ایک مماثل کیفیت میں بیان کئے گئے ہیں۔ قرآن تو سرے سے کسی کیفیت سے مطلع کرتا ہی نہیں صاف کہہ دیتا ہے کہ۔ ولکن لا تشعرون۔ ولکن لا تبصرون۔ جب ہم میں اہلیت ہی نہیں تو ہم اصل عالم امر کے واقعے کو کیسے سمجھ سکتے ہیں؟

احادیث میں جن اجسام کے ساتھ عذاب یا راحت کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں انکے لحاظ سے عذاب یا راھت کا اس زمینی قبر میں ہونا ممکن ہی نہیں۔ دراصل یہ بہت بڑی خام خیالی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ہم فوق لاطبعی معاملات کیلئے اندھے ہیں۔ اور ایک اندھے کو کسی طور بھی رنگوں کے بارے میں کہ ہرا، نیلا، سرخ، پیلا کیا ہوتے ہیں بتلایا ہی نہیں جاسکتا۔ ممکنہ صورت ہی ایک ہوتی ہے اس کو کسی مماثل صورت میں بیان کیا جائے۔ لیکن وہ مماثل صورت بھی اندھے کو رنگوں کے حقیقی مشاہدے کو قابل نہیں بنا سکتی۔ فرشتے ہمارے کاندھوں پر موجود ہو کر کس طرح ریکارڈ کرتے اور ڈیوٹیاں بدلتے ہیں، ہم کیفیت کا ادراک کبھی بھی نہیں کر سکتے لیکن مقام کا انکار بھی نہیں کر سکتے کہ مقام بہر حال ہمارے کاندھے ہی ہوتے ہیں۔ اسی طرح قرآن صراحت سے نقشہ کھینچتا ہے کہ مرنے والے کی جان جس وقت نکل رہی ہوتی ہے اور ہم اپنی نگاہوں سے اسے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ و انتم حینئذ تنظرون ۔ اس وقت اللہ اور فرشتے ہماری نسبت اس کے زیادہ قریب ہوتے ہیں ۔ و نحن اقرب الیہ منکم ولکن لا تبصرون۔ لیکن اللہ وضاحت بھی کر دیتا ہے کہ تم نہیں دیکھ سکتے، سیدھے الفاظ میں اس فوق الطبعی معاملے کیلئے تم اندھے ہوتے ہو۔ لیکن مقام کی اللہ نے صراحت کر دی کہ۔ یہ سب جس مقام پو ہو رہا ہوتا ہے وہ بہر حال ہماری نگاہوں کے سامنے ہو رہا ہوتا ہے۔ پھر وہی نتیجہ نکلا کہ ہم کیفیت کا ادراک نہیں کر سکتے ہاں مقام سے واقف ہوتے ہیں لیکن اندھے ہوتے ہیں۔

دراصل فوق لاطبعی عالم کے تمام معاملات میں یہ بنیادی کلیہ اور اصول ہے کہ مقام سے ہم واقف ہو سکتے ہیں لیکن کیفیت سے کبھی بھی نہیں۔ اس کلیہ کو اچھیٔ طرح ذہن میں رکھئے۔ آپکی تسلی کیلئے میں قرآن ہی کچھ اور مثالیں بھی دے دیتا ہوں۔ دیکھئے موسی ع کا عصا سانپ بن جاتا تھا اور انکی دسترس میں انکے سامنے، کیفیت سے ہم کبھی بھی آگاہ نہیں ہو سکتے لیکن مقام سے واقف۔ ملکہ کا تخت پلک جھپکنے میں کوسوں میل دور سے دوسرے مقام پر پہنچتا ہے ہم ان دونوں مقامات سے واقف ہیں جہاں سے تخت چلا اور جہاں پہنچا۔ لیکن کیفیت سے آگاہ نہیں ہو سکتے۔ ابراہیم ع نے جن پرندوں کے ٹکڑے کیے اور جن مقامات پر رکھ دیۓ ان مقامات سے آگاہ تھے لیکن کس کیفیت سے وہ دوبارہ زندہ ہو کر آ گۓ اس کیفیت سے آگاہ نہیں ہو سکتے۔ پس اگر یہ بنیادی کلیہ ہاتھ میں پکڑ کر آپ بعد از موت معاملات پر پیش قدمی کریں کہ ہم کیفیت سے کسی طور آگاہ نہیں ہو سکتے ہاں مقام سے آگاہ ہو سکتے ہیں۔

دیکھئے مرنے والے کی جان ہماری نگاہوں کے سامنے کھینچی جاتی ہے، اور پھر ایک ہی وقت میں لاکھوں لوگ مختلف مقامات پر مر رہے ہوتے ہیں۔ یقیناﷲ، اس کے عرش، فرشتوں سب کی رسائی ہر مرنے کے پاس ہوتی ہے۔ مقام سے ہم انکار کر ہی نہیں سکتے کیونکہ ﷲ نے مقام کا بتلا دیا لیکن کیفیت کو ٹٹولنے کی اگر ہم کوشش کرتے ہیں تو گمراہ ہو سکتے ہیں۔

جنازے پر میت کلام کرتی ہے۔ مقام سے ہمیں انکار نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ بخارے کے باب کا انکار ساری بخاری اور امام بخاری بلکہ احادیث کا ہی انکار بن جاتا ہے۔ پس یہ طے ہو جاتا ہے کہ وفات یافتہ وجود بہر حال جنازے پر ہی موجود ہوتا ہے اور وہیں کلام کرتا ہے۔

اسی طرح چند گھنٹوں بعد وہی منخنی ترین وجود (محفوظ عجب الذنب میں موجود روح + جسم حقیقی) قبر میں فرشتوں کے سامنے پہنچ جاتا ہے، اپنے عزیزوں کے جوتوں کی چاپ سنتا ہے۔ مقام ہمیں پتہ چل گیا کہ زمینی قبر، لیکن کیفیت کے چکر میں پڑنا خود کو گمراہی میں ڈالنا ہوا۔

عثمانی صاحب یہی فاش اور بنیادی غلطی کر رہے ہیں کہ وہ کیفیت کو پکڑ کر (جس کا ادراک ممکن ہی نہیں)۔ اس کیفیت کو طبعی عالم کے اصولوں کے تحت ہی ہوتا گمان کرکے۔ مقامات کو دور کہیں آسمانوں پر لے جا رہے ہیں۔

مثال کے طور پر. برزخ کی جو تعریف قرآن بیان کرتا ہے وہ دو باہم ملی ہوئی چیزون کے درمیان آڑ یا رکاوٹ ہے جو ان ملی ہوئی چیزوں کو بھی ملنے نہیں دیتی۔ لیکن عثمانی صاحب اپنے. برزخی فلسفے کی قینچی سے قرآن کی اس اصل. برزخ کی بھی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیتے ہیں۔ جنازے پر کلام کرتا وفات یافتہ شخص ہم سے ملا ہوا ہوتا ہے (یلتقیان)۔ لیکن ہمارے اور اس کے درمیان عالم طبعی اور عالم فوق الطبعی کے اصولوں کا فرق ہوتا ہے۔ جو ملے ہووں کو بھی ملنے نہیں دیتا۔

. برزخ دو ایسی چیزوں کے درمیان ہوتی ہے جو باہم ملی ہوئی ہوتی ہیں، اور بظاہر انہیں آپس میں مل بھی جانا چاہئے، لیکن . برزخ انہیں ملنے نہیں دیتی۔ جیسے سمندر کے دو ملے ہوئے پانی (یلتقیان)۔ جنہیں بظاہر مل جانا چاہئے لیکن. برزخ انہیں ملنے نہ دے۔ انڈے کے اوپر کا مردار لیکن سخت خول بھی. برزخ ہوتا ہے جو اندر کے حیاتیاتی جوہر کو باہر کے حوادث سے محفوظ رکھتا ہے۔ پھر انڈے کے اندر بھی زردی اور سفیدی جو کہ باہم ملے ہوئے ہوتے ہیں (یلتقیان) لیکن. برزخ انہیں ملنے نہیں دیتی۔

پس جھیل سیف الملوک اور بحر ہند کے درمیان.برزخ کسی طور نہیں کیونکہ یہ باہم ملے ہوئے نہیں ہیں (یلتقیان) کی شرط پوری نہیں ہو رہی۔ جھیل سیف الملوک اور بحر ہند کے درمیان بہت دوری اور فاصلہ آگیا جس سے یلتقیان، باہم ملے ہوئے ہونے کی شرط ختم ہو گئی۔

اللہ نے وفات یافتہ انسانوں اور ہمارے درمیان بھی اسی لئے.برزخ کا ذکر کیا ہے کیونکہ وفات یافتہ انسان بھی وفات کے بعد ہم سے ملے ہی رہتے ہیں۔ لیکن اب.برزخ ہمیں ان سے ملنے سے روکے رکھتی ہے۔ جب مرنے والا.برزخ کی سرحد پار کر رہا ہوتا ہے تو اللہ اور فرشتے یہیں زمین پر موجود ہوتے ہیں۔ کیونکہ اسے فاصلہ طے کر کے کہیں دور نہیں جانا ہوتا بلکہ یہیں زمین پر ہی رہنا ہوتا ہے۔ تاہم ہم یہ کاروائی.برزخ کی وجہ سے نہیں دیکھ سکتے۔ ولکن لا تبصرون۔ پھر وہی وفات یافتی شخص جنازے پر ہم سے ملا ہوا ہی ہوتا ہے (یلتقیان)۔ لیکن ہم اس کا بولنا.برزخ کی وجہ سے ہی نہیں سن سکتے۔ نبی ص کیلئے.برزخ کی سختی میں کچھ کمی تھی اور آپ ص ملے ہوئے وفات یافتہ اشخاص کے حال سے کسی نہ کسی حد تک باخبر ہو جاتے تھے۔

تاہم عثمانی صاحب زبردستی وفات یافتہ اشخاص کو بہت دور فاصلے پر لے جاتے ہیں، جس کے بعد دوری اور فاصلہ آجاتا ہے اور .برزخ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ جھیل سیف الملوک اور سمندر کے درمیان کسی طور بھی.برزخ نہیں بلکہ بہت دوری اور فاصلہ ہے اور یلتقیان کی لازمی شرط پوری نہیں ہوتی۔ عثمانی صاحب وفات یافتہ اشخاص کو جھیل سیف الملوک سے نکال کر کروڑوں میل دور کہیں سمندر کے پانیوں میں لے جاتے ہیں۔ جس کے بعد.برزخ کا انکار ہو کر رہ جانا ایک لازمی امر ہے۔

قرآن سے صاف دیکھ لیجئے.برزخ دو ملی ہوئی چیزوں کے درمیان ایک آڑ اور رکاوٹ کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ لیکن عثمانی صاحب،،.برزخی قبر،.برزخی جسم،.برزخی عالم بنا رہے ہیں۔ پھر۔ یلتقیان۔ یعنی باہم ملے ہوئے ہونے کی بنیادی اور لازمی شرط کو بھی لات مار رہے ہیں۔ کراچی کے سمندر میں اور نیو یارک کے سمندر کے درمیان تو.برزخ نہیں ہو سکتی۔.برزخ تو ممکن ہی دو ایسے پانیوں کے درمیان رکاوٹ کی صورت میں ہے جو باہم ملے ہوئے ہوں۔ لیکن حیرت ہے کہ عثمانی صاحب وفات یافتہ شخس کو کرورون میل دور کہیں اسمانوں پر پہنچا رہے ہیں۔ اگر وفات یافتہ وجود وہاں پہنچ گئے تو وہ ملے ہوئے ۔یلتقیان۔ رہے ہی کہاں۔ خیر جب عثمانی ساحب وہاں لے گئے تو طاہر ہے کہ قبر بھی.برزخی ہو گئی اور مقام قبر بھی کروروں

میل دور۔ لیکن سارے قرآن میں اور سارے احادیث کے ذکیرے میں جہاں بھی لفظ۔ القبر۔ یا۔ القبور۔ آیا ہے وہاں اس سے مراد صرف زمینی قبر ہی بنتی ہے۔

میرا کہنا یہ ہے کہ اصل قبر عجب الذنب ہے جس میں وفات یافتہ انسان کاتراب والا اصل جسم موجود رہتا ہے۔ میں اگر یہ بات کررہاہوں تو خالص قرآن کی آیت کی بنیاد پر کررہاہوں۔

ا۔ قرآن کہتا ہے۔ واذاالقبور بعثرت۔ جب قبریں کھول دی جائیں گی۔ کیاآپ اسے قرآن کی آیت تسلیم کرتے ہیں؟ کیااس آیت میں اللہ نے انسان کی قبروں کی بات نہیں کی ہے؟ کیاان قبروں میں جلادیے جانے والے ہندوئوں اور درندوں کے کھالئے جانے والے سارے انسانوں کی قبریں بھی شامل نہیں ہیں؟ کیایہ بھی واقعہ اور حقیقت نہیں کہ ان قبروں سے مراد انسانوں کے ہاتھ کے کھودے ہوئے چھے فٹ کے قبرستانی گڑھے نہیں ہیں بلکہ جب زمین چٹیل میدان ہوگی، اس وقت جس انسان کی بھی محفوظ عجب الذنب جس مقام پر ہوگی وہی مقام اس کی قبر ہے؟

اب آپ مجھے دلیل دیجئے کہ میں اس قبر کاانکار کرکے کیا کسی آسمانوں پر موجود. برزخی قبر کو، اصل قبر سمجھوں؟ یا قبرستان میں انسان کے ہاتھ کے کھودے چھے فٹ کے گڑھے کو قبر سمجھوں؟

میری رہنمائی کیجئے۔ میں کس مقام کو اصل قبر سمجھوں؟

الغرض قبر ہو یا برزخ ہو۔ عثمانی صاحب واضح طور سے قرآن کے خلاف جارہے ہیں اور الزام دوسروں پر دھر رہے ہیں کہ وہ خلاف قرآن جارہے ہیں۔ دوسرے خلاف قرآن نہیں جارہے۔ آپ نے قرآن و حدیث سے ایک غلط شکل بنا کر ہاتھ میں تھام لی ہے۔ وہی غلط شحکل اب آپکے نزدیک عین قرآن اور عین حدیث ہے۔ اور جو بھی اس. برزخی شکل کے خلاف جاتا محسوس ہوتا ہے اسے آپ کافر، مشرک، طاغوت قرار دے کر اس پر خلاف قرآن ہونے کا فتوی لگادیتے ہیں۔

جواب

معجزہ اور عام بات الگ الگ ہیں- اس کے لئے اس آپ کو اصول کی کتب میں عموم و خصوص کی بحث کو پڑھنا چاہیے- عالم کے نظم کو معجزہ یا خصوص سے ملا کر نہیں دیکھا جاتا۔ اللہ تعالی اپنی قدرت سے جو چاہے جب چاہے کر سکتا ہے وہ رب ہے لیکن وہ

اس نظم میں تبدیلی ہر روز نہیں کرتا- اللہ تعالی نے لکڑی کو زندہ سانپ میں بدل دیا۔ سمندر کی لہروں کو جدا کر کے خشک رستہ بنا دیا- انبیاء کو آسمان تک لے گیا تو یہ روز روز نہیں ہوتا- یہاں بات ہو رہی ہے روز مرہ کے عموم کی۔ روز لوگ مرتے ہیں۔ ان کی روحیں قبض کی جاتی ہے اور آسمان میں عالم بالا میں لے کر جائی جاتی ہیں یہی حدیث میں ہے کہ روح آسمان میں جاتی ہے۔ آپ اپنے باطل فرضی فلسفوں سے کومت تبدیل کریں کہ آسمان پر جانے والی روح جسم میں ہی ایک ہڈی میں مقید رہ گئی۔

اس اقتباس میں آپ کا جہمی عقیدہ کھل کر آ گیا ہے جس کو کفر کہنے میں امام بخاری نے دیر نہیں کی۔

جہم بن صفوان کا عقیدہ تھا کہ اللہ عرش پر کہیں کسی Throne پر نہیں ہے۔ وہ اپنی مخلوق کے ساتھ موجود ہے۔ یہ عقیدہ باطل ہے۔ اللہ مخلوق سے الگ ہے وہ اپنی مخلوق سے ملا ہوا نہیں ہے۔ ورنہ تمام کائنات لا فانی ہے۔ میں اور آپ بھی لا فانی ہیں۔ اگر اللہ ہمارے اندر سرایت کیا ہوا ہے۔

آپ کے نزدیک سات آسمان اور عرش تمام تمثیلیں ہیں جبکہ اللہ تعالی اس کو حقیقت کہتا ہے جس کو خلق کرنے میں اس کو چھ روز لگے- آپ کے نزدیک معاذ اللہ خالق اور مخلوق ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں- اللہ تعالی بذات ہر مرنے والے کے پاس ہے جبکہ بذات اس کا موجود ہونا تمام دنیا کو لا فانی بنا دیتا ہے- اگر ایسا تھا تو موسی علیہ السلام کا واقعہ یاد رہے کہ اللہ تعالی کی پہاڑ پر تجلی نے پہاڑ کا کیا حال کیا تھا-

آپ کے بقول یہ حدیث امام عثمانی کی مشکل کا باعث بنی انہوں نے اس کی ٹانگ توڑی۔ یہ اپ کا جھل صریح ہے کیونکہ

صحیح مسلم میں حدیث نمبر ۲۱۳۲ ہے

وحدثنا محمد بن رافع ، حدثنا عبد الرزاق ، اخبرنا ابن جريج ، عن العلاء بن يعقوب ، قال اخبرني ابي ، انه سمع ابا هريرة ، يقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " الم تروا الإنسان إذا مات شخص بصره "، قالوا بلى، قال " فذلك حين يتبع بصره نفسه ".

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کو دیکھو کہ جب مر جاتا ہے تو آنکھیں کھلی رہ جاتی ہیں-- لوگوں نے کہا ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا سبب یہ ہے کہ اس کی نگاہ جان کے پیچھے جاتی ہے--

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا عقیدہ تو یہاں پر یہ ہے کہ میت نہیں دیکھتی اس کی نگاہ روح کے ساتھ جا چکی ہوئی ہے- یہ حدیث میت کی قوت بصری کے خاتمہ کی دلیل ہے۔ جہاں تک الکلام المیت علی الجنازہ والی روایت ہے تو آپ اس حدیث کی شروحات سے ہی لاعلم ہیں۔ یہ حدیث شروع سے ہی تشریحات کا مرکز رہی ہے مثلا مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح کے مطابق یہ

بِلِسَانِ الْحَالِ أَوْ بِلِسَانِ الْمَقَالِ زبان حال یا مقال ہے۔ زبان مقال یعنی کہنے والوں کا قول ہے جو میت کو لے کر جا رہے ہوتے ہیں یا زبان حال ہے یعنی حالات میت بتا رہی ہوتی ہے کہ میت نیک تھی یا بد۔ قرآن میں حکم ہے کہ سچ اور جھوٹ کو مت ملا کر بیان کرو۔ آپ نے اپنا جھوٹ احادیث میں ملا دیا ہے۔

معراج جسم کے ساتھ ہوئی یہ کوئی خواب نہیں تھا اور جو اپ نے اس کے ساتھ حدیث لکھی ہے وہ خواب والی سمرہ بن جندب کی حدیث ہے۔

معراج مکہ میں ہوئی تھی اور خواب میں زانی تو تندور میں دیکھنا یہ خواب کا واقعہ ہے جو آخری دور نبوی کا مدینہ کا ہے۔

آپ میں اتنی صلاحیت نہیں کہ احادیث کو ان کے صحیح سیاق و سباق کے ساتھ سمجھ سکیں اوپر سے فلسفہ پر فلسفہ بھگار رہے ہیں۔ معراج مکہ میں ہوئی جبکہ سمرہ بن جندب والی روایت میں جو خواب بیان ہوا ہے وہ آخری دور کا ہے لہذا ان دونوں کو ملا کر کیوں بیان کیا جا رہا ہے؟ معراج جسمانی تھی نہ کہ خواب-کتاب تہذیب الأسماء واللغات از النووی کے مطابق سمرہ چھوٹے تھے کہ والد کا انتقال ہوا اور ان کی والدہ مدینہ لے آئیں. مزید یہ کہ مومنین پر عذاب کا علم دس ہجری میں دیا گیا لہذا یہ روایت دس ہجری کے بعد کی ہے۔

پھر آپ نے بات کی کہ باقاعدہ آگ میں جھوکنے کا مرحلہ قیامت کے بعد ہو گا- جی ہاں اشد العذاب قیامت پر ہو گا لیکن قرآن میں ہے کہ ال فرعون کو ابھی بھی جہنم کی اگ پر پیش کیا جا رہا ہے- حدیث سمرہ میں یہ نہیں ہے کہ زانی اس آگ میں جو تنور میں تھی اس میں جل کر بھسم ہو گئے ف بلکہ وہ اس میں اوپر نیچے بھاگتے ہیں۔ پھر آپ نے سچ کے ساتھ جھوٹ کو ملا کر پیش کیا ہے-آپ مسلسل اپنے خود ساختہ فلسفوں کی بنیاد پر قرآن و حدیث کو رد کر رہے ہیں

شہید کی زندگی تمثیلی نہیں ہے، حقیقی ہے اور جنت میں ہے اس پر حدیث عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں غیر مبہم انداز میں بیان ہو چکا ہے اور کسی شارح حدیث نے جو عرب و عجم کو ہو اس حدیث کو تمثیل قرار نہیں دیا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ شھداء اپنی قبروں میں نہیں بلکہ عرش الہی کے نیچے جنت الفردوس کے اعلی مقامات پر زندہ ھیں

مسروق سے روایت ہے کہ ہم نے عبداللہ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا جنہیں اللہ کے راستہ میں قتل کیا جائے انہیں مردہ گمان نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس سے رزق دیئے جاتے ہیں تو انہوں نے کہا ہم نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں سوال کیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کی روحیں سر سبز پرندوں کے جوف میں ہوتی ہیں ان کے لئے ایسی قندیلیں ہیں جو عرش الاہی کے نیچے لٹکی ہوئی ہیں اور وہ روحیں جنت میں پھرتی رہتی ہیں جہاں چاہیں پھر انہیں قندیلوں میں واپس آ جاتی ہیں ان کا رب ان کی طرف مطلع ہو کر فرماتا ہے کیا تمہیں کسی چیز کی خواہش ہے وہ عرض کرتے ہیں ہم کس چیز کی خواہش کریں حالانکہ ہے جہاں چاہتے ہیں جنت میں پھرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے اس طرح تین مرتبہ فرماتا ہے جب وہ دیکھتے ہیں کہ انہیں کوئی چیز مانگے بغیر نہیں چھوڑا جائے گا تو وہ عرض کرتے ہیں اے رب ہم چاہتے ہیں کہ ہماری روحیں ہمارے جسموں میں واپس لوٹا دیں یہاں تک کہ ہم تیرے راستہ میں دوسری مرتبہ . قتل کئے جائیں جب اللہ دیکھتا ہے کہ انہیں اب کوئی ضرورت نہیں تو انہیں پوچھنا چھوڑ دیا جاتا ہے۔

صحیح مسلم کتاب امارت

اور حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ شہید واپس زمین پر جانا چاہتا ہے تو اس کی یہ بات قبول نہی کی جاتی جبکہ آپ کا تصور ہے کہ اس کی روح عجب الذنب میں ہے- اب رہی جہاں تک ابواب صحیح البخاری کی بات تو صحیح بخاری کے باب کا انکار کیا جا سکتا ہے اور تاویل بھی کی جا سکتی ہے کیونکہ یہ معلوم ہے کہ صحیح کے ابواب تمام امام بخاری کے قائم کردہ نہیں ہیں- ان میں سے بعض متاخرین کے قائم کردہ ہیں لہٰذا ان سے عقائد کا استنباط نہیں کیا جاتا- جب یہ حدیث معلوم ہے کہ مرنے والی کی نگاہ روح کے ساتھ چلی گئی تو روایت کا یہ مفہوم کہ کہ مردہ جسم جنازہ پر دیکھنے لگا کیسے صحیح ہے؟ یقینا جو آپ نے سمجھا وہ حقیقی نہیں تمثیلی تھا۔ مردہ کا کلام ایک استعارہ ہے-

افسوس یہ ہے کہ جو تمثیلی ہے اس کو آپ نے حقیقی بنا دیا ہے جبکہ مرقات شرح مشکاۃ کے شارح کا بھی یہی کہنا ہے اور دیگر شارحین حدیث کا بھی یہی کہنا ہے- پھر عجب الذنب کی ہڈی میں کسی مٹی سے بنے جسم میں روح مقید ہوتی ہے اس پر نص درکار ہے جو آپ کے پاس نہیں ہے لہذا اس فلسفہ کی کوئی وقعت نہیں ہے

روایت مردہ جوتوں کی چاپ سنتا ہے اس کی بھی تاویل شارحین نے کی ہے کہ یہ سنتا اصلا فرشتوں کی چاپ ہے- روایت میں لفظ قرع ہے جس کا مطلب عربی میں وہ گونج ہے جو ہتھوڑی کی ضرب سے پیدا ہوتی ہے- انسان کے قدموں سے قرع کبھی بھی نہیں نکلتی۔ لہذا یہ انسانی قدموں کا ذکر نہیں ہے آنے والے فرشتوں کے قدم کا ذکر ہے- دوم آپکے علم میں اغلبًا نہیں ہے کہ امام احمد کے نزدیک یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ اس حدیث سے نکلتا ہے قبرستان میں جوتیاں پہن کر چلا جا سکتا ہے جبکہ امام احمد کا سختی سے اس کے خلاف جوتی اتارنے کا حکم ہے۔ سوم اس روایت میں عربی کی غلطی بھی ہے؛ لہذا یہ حدیث صحیح متن سے منقول نہیں ہوئی -

سچ جو جھوٹ میں ملانے کے آپ کے فلسفوں کی اس کڑی میں. برزخ میں سمندر کا ذکر ہے- اللہ تعالی کے قول کہ دو سمندروں کے درمیان ایک. برزخ ہے تو یہ سائنس سے بھی معلوم ہے اس. برزخ کو Interface کہا جاتا ہے- یہ. برزخ کی تعریف ضرور ہے لیکن اصطلاح البرزخ کی تعریف بالکل نہیں ہے- .برزخ کا لغوی مطلب ہے کہ دو چیزوں کو الگ کرنے کی حد- کیا قرآن جو عربی میں ہے اس میں وارد لفظ. برزخ جب بھی آئے گا وہ سمندر پر بولا جائے گا؟ اگر آپ کی عقل اتنی ہی ہے تو اس پر ماتم کرنا پڑے گا۔ بھائی صاحب ایک لفظ تو کئی مطلب رکھتا ہے بعض اوقات اصل میں ہوتا ہے بعض اوقات تمثیل میں بعض اوقات استعارہ میں بعض اوقات اصطلاح میں۔ .برزخ کا لفظ صرف الگ کرنے کے مطلب میں آتا ہے

(19) مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ

اس نے دو سمندر ملا دیے جو باہم ملتے ہیں۔

(20) بَيْنَـهُمَا بَـرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ

ان دونوں میں پردہ ہے کہ وہ حد سے تجاوز نہیں کرسکتے۔

یہاں برزخ کا لغوی مطلب ہے۔ سوال ہے کہ ایک مچھلی ہے جو ایک کھاری یا نمکین پانی کے سمندر میں ہے کیا وہ برزخ پار کر کے میٹھے پانی میں نہیں جا سکتی؟ بالکل جا سکتی ہے اور یہ سب انسانوں کو معلوم ہے لہذا برزخ جب سمندر کو ملنے نہیں دے رہی تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان سمندروں کے مردار و جاندار بھی تیرتے یا بہہ کر سمندروں کے پار نہیں جا سکتے۔ اگر ہم اس تعریف کو قبر اور انسانوں پر لگا دیں تو کا مطلب ہے انسان کے لئے ممکن ہے کہ وہ قبر کے عالم کو دیکھ سکے جبکہ قبر کو کھول کر انسان دیکھتا ہے تو اس کو کچھ نظر نہیں آتا۔ اسی طرح مردے کے لئے ممکن ہے زمین کے اوپر کے حالات سے واقف ہو جبکہ حدیث میں ہے کہ قرب قیامت کے فتنوں کے وقت ایک شخص خواہش کرے گا کہ کاش وہ قبر میں ہوتا۔ اگر وہ قبر میں بھی جائے اور برزخ سے یہ سمجھا جائے کہ وہ دنیا دیکھ رہا ہے تو ایسا مردہ شخص تو دنیاوی فتنوں کو ہر وقت دیکھتا ہی رہے گا۔ قرآن میں ہے کہ کافر محشر میں خواہش کرے گا کہ کاش وہ مٹی ہو جاتا یعنی اللہ تعالی کے عذاب سے بچ جاتا

پھر سورہ مومنوں یہ ہے

(99) حَتّـٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُـمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آئے گی تو کہے گا اے میرے رب مجھے پھر بھیج دے۔

(100) لَعَلِّـىٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَـرَكْتُ ۚ كَلَّا ۚ اِنَّـهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُـهَا ۖ وَمِنْ وَّرَآئِهِـمْ بَـرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ

تاکہ جسے میں چھوڑ آیا ہوں اس میں نیک کام کرلوں، ہرگز نہیں، ایک ہی بات ہے جسے یہ کہہ رہا ہے، اور ان کے آگے قیامت تک ایک پردہ پڑا ہوا ہے۔

اس سے علماء نے البرزخ کو اصطلاح لیا ہے یعنی وہ عالم جو روح کو جسم سے الگ کرے مثلا ابن حجر فتح الباری جلد ۲۰ ص ۵۲ پر سمرہ بن جندب کی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں

وَفِيهِ أَنَّ بَعْض الْعُصَاة يُعَذَّبُونَ فِي الْبَرْزَخ .

اور اس (روایت) میں بعض گناہ گاروں کا ذکر ہے جنھیں البرزخ میں عذاب دیا جا رہا تھا

السیوطی کتاب الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج میں لکھتے ہیں

عَن سَمُرَة بن جُنْدُب قَالَ كَانَ النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم إِذا صلى الصُّبْح أقبل عَلَيْهِم بِوَجْهِهِ فَقَالَ هَل رأى أحد مِنْك البارحة رُؤْيا هَذَا مُخْتَصر من حَدِيث طَوِيل وَبعده وَأَنه قَالَ لنا ذَات غَدَاة إِنَّه أَتَانِي اللَّيْلَة آتيان فَقَالَا لي انْطلق فَذكر حَدِيثا طَويلا فِيهِ جمل من أَحْوَال الْمَوْتَى فِي البرزخ وَقد أخرج البُخَارِيّ بِتَمَامِهِ

سَمُرَة بن جُنْدُب سے مروی ہے کہ النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم جب صبح کی نماز پڑھتے تو ہماری طرف رخ کرتے اور پوچھتے کہ کیا تم میں سے کل کسی نے خواب دیکھا ہے یہ ایک طویل حدیث کا اختصار ہے -...جس میں احوال الموتی کا اجمال ہے البرزخ میں اور اس کو بخاری نے مکمل بیان کیا ہے

ابن قیّم اپنی کتاب روضۃ المحبین ونزہۃ المشتاقین میں لکھتے ہیں کہ

فأما سبيل الزنى فأسوأ سبيل ومقيل أهلها في الجحيم شر مقيل ومستقر أرواحهم في البرزخ في تنور من نار يأتيهم لهبها من تحتهم فإذا أتاهم اللهب ضجوا وارتفعوا ثم يعودون إلى موضعهم فهم هكذا إلى يوم القيامة كما رآهم النبي صلى الله عليه وسلم في منامه ورؤيا الأنبياء وحي لا شك فيها

پس زنا کا راستہ بہت برا راستہ ہے اور اس کے کرنے والے جہنم میں ہیں برا مقام ہے اور ان کی روحیں البرزخ میں تنور میں آگ میں ہیں جس کی لپٹیں ان کو نیچے سے آتی ہیں پھر وہ واپس اپنی جگہ آتے ہیں اور اسی طرح قیامت کے دن تک ہو گا جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند میں خواب میں دکھایا گیا جو وحی -تھی جس میں کوئی شک نہیں

الطبری دیتے ہیں

أَنَّهُمْ مَرْزُوقُونَ مِنْ مَآكِلِ الْجَنَّةِ وَمَطَاعِمِهَا فِي بَرْزَخِهِمْ قَبْلَ بَعْثِهِمْ، وَمُنَعَّمُونَ بِالَّذِي يَنْعَمُ بِهِ دَاخِلُوهَا بَعْدَ الْبَعْثِ مِنْ سَائِرِ الْبَشَرِ مِنْ لَذِيذِ مَطَاعِمِهَا الَّذِي لَمْ يُطْعِمْهَا اللَّهُ أَحَدًا غَيْرَهُمْ فِي بَرْزَخِهِ قَبْلَ بَعْثِهِ

شہداء کو جنت کے کھانے انکی برزخ ہی میں ملیں گے زندہ ہونے سے پہلے، اور وہ نعمتوں سے مستفیض ہونگے دوسرے لوگوں سے پہلے اور لذید کھانوں سے، جن کو کسی بھی بشر نے چکھا نہ ہو گا برزخ میں ، -زندہ ہونے سے پہلے

ابن حزم المتوفی ۴۵٦ھ قبر میں عذاب کے انکاری ہیں اور البرزخ کی اصطلاح عالم ارواح کے لئے استعمال کرتے ہیں۔اور عذاب کو صرف روح پر مانتے ہیں. ڈاکٹر عثمانی اس بات میں ان سے متفق ہیں-کتاب الفصل فی الملل والأهواء والنحل میں لکھتے ہیں

ثمَّ ينقلنا بِالْمَوْتِ الثَّانِي الَّذِي هُوَ فِرَاق الْأَنْفس للأجساد ثَانِيَة إِلَى البرزخ الَّذِي تقيم فِيهِ الْأَنْفس إِلَى يَوْم الْقِيَامَة وتعود أجسامنا تُرَابا

پس الله ہم کو دوسری موت کے بعد جو نفس کی جسم سے علیحدگی ہے ہم کو برزخ میں منتقل کر دے گا اور ہمارے جسم مٹی میں لوٹائے گا۔

تمام باطل فلسفوں کا رد کرنے والی حدیث دیکھیں۔ مسند الحمیدی میں ہے کہ کعب بن مالک إِنَّهُ لَمَّا حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ، کہ جب ان کی وفات کا وقت تھا اور مسند احمد میں ہے

حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ قَالَتْ أُمُّ مُبَشِّرٍ لِكَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، وَهُوَ شَاكٍ اقْرَأْ عَلَى ابْنِي السَّلَامَ، تَعْنِي مُبَشِّرًا، فَقَالَ يَغْفِرُ اللهُ لَكِ يَا أُمَّ مُبَشِّرٍ، أَوَلَمْ تَسْمَعِي مَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " إِنَّمَا نَسَمَةُ الْمُسْلِمِ طَيْرٌ تَعْلُقُ فِي شَجَرِ الْجَنَّةِ حَتَّى يُرْجِعَهَا اللهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَى جَسَدِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ " قَالَتْ صَدَقْتَ، فَأَسْتَغْفِرُ اللهَ

أم بشر بنت البراء بن معرور آئیں اور کعب سے کہا میرے (فوت شدہ) بیٹے کو سلام کہیے گا (یعنی جنت جب ملاقات ہو) اس پر کعب نے کہا الله تمہاری مغفرت کرے کیا تم نے سنا نہیں کہ رسول الله صلی الله علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلم کی روح ، پرندہ ہے جنت کے درخت پر لٹکتی ہے یہاں تک کہ روز محشر الله اسکو اس کے جسد میں لوٹا دے ام مبشر نے کہا سچ کہا میں اللہ سے مغفرت طلب کرتی ہوں۔

اس کی سند صحیح ہے۔

آپ نے کہا

قرآن کہتا ہے۔ واذاالقبور بعثرت۔ جب قبریں کھول دی جائیں گی

جناب یہ بھی قرآن کہتا ہے کہ

واذاالنفوس زوجت

اس وقت روحوں کو جسموں سے جوڑا جائے گا

قبر کھلے گی تو اس کا مطلب یہ کہاں لکھا ہے کہ روح اسی ہڈی میں پہلے سے ہو گی ؟

فلسفی نے جواباً کہا

محترم میں کہاں معجزے اور معمول کو ملا رہا ہوں؟ کیا فرشتے آپکے کاندھوں پر بیٹھ کر جو کاروائی کرتے ہیں وہ ایک معمول کی کاروائی ہے یا نہیں ہے؟ تو آپ اس کاروائی کے مقام سے واقف ہیں لیکن کیفیت سے نہیں ہیں۔ اس میں معجزے کا کیا تعلق بنتا ہے؟ یہاں تو یہی ہے کہ فرشتوں کی کاروائی ایک معمول کی کاروائی ہے جو کہ عالم امر کے اصولوں کے تحت ہوتی ہے۔ اس لئے ہم صرف مقام سے آگاہ ہیں کیفیت کا ادراک کرنے سے قاصر ہیں۔ پھر اگلے مرحلے میں فرشتے جو اخرجوا انفسکم کہتے ہیں وہ بھی عالم امر کے اصولوں کے تحت کہے گئے الفاظ ہوتے ہیں۔ کوئی معجزہ نہیں ہوتے۔ معمول کی کاروائی ہوتی ہے،، یہیں زمین پر ہوتی ہے۔ اسی کاروائی کے تسلسل کا اللہ ذکر کرتا ہے کہ ہم مرنے والے کے عزیزوں سے بھی قریب موجود ہوتے ہیں لیکن تم ہمیں نہیں دیکھ پا رہے ہوتے۔ ولکن لا تبصرون۔ یہ بھی وہی معمول کی کاروائی ہے یہاں معجزہ کہاں سے آگیا؟ اگلے مرحلے میں وہی وفات یافتہ شخص جنازے پر کلام کرتا ہے۔ یہ بھی معمول کی کاروائی ہے۔ کوئی معجزہ نہیں ہے۔ برزخ کی وجہ سے ہم اس کا کلام نہیں سن پاتے۔ آپ کو اس قوی حدیث سے کسی بھی بہانے سے جان چھڑا کے نکلنا ہے۔ اگلے مرحلے میں اسی وفات یافتہ شخص کو معمول کے مطابق لوگ دفنا کر جاتے ہیں تو وہی وفات یافتہ شخص معمول کے مطابق جوتوں کی چاپ سنتا ہے۔ آپ پھر پریشان ہو کر حدیث کی گردن مروڑنے کو تیار ہیں۔ یہ سب آخر ہے کیا؟ کیا وجہ ہے کہ آپ قرآن و قوی حدیث سے بننے والی ایسی معقول شکل جس میں ہر قوی حدیث ایک نگینے کی طرح فٹ بیٹھتی جائے، کی بجائے ایک ایسی قبر بناتے ہیں جس قبر کا نام و نشان تک قرآن و حدیث میں نہیں ملتا۔ سارے قرآن میں اور سارے ذخیرہ احادیث میں جہاں بھی لفظ۔ القبر۔ یا۔ القبور۔ استعمال ہوا ہے اس سے مراد زمینی قبر ہی بنتی ہے۔

آپ کیوں حقیقت کو تسلیم کرنے کے بجائے بات کو معجزے کی طرف موڑ کر فرار حاصل کرنا چاہ رہے ہیں۔ میری گزارشات میں بتایئے تو سہی کہ معجزہ آ کہاں سے گیا، اخرجوا انفسکم، معمول نہیں ہے؟ مرنے والے کے پاس اللہ اور فرشتوں کو موجود ہونا معمول نہیں ہے؟ میت کا جنازے پر لے کر جانا، اسے دفنانا یہ سب معمول نہیں ہیں؟

اس کے بعد آپ زبردستی ایک الزام مجھ پر لگاتے ہوئے کہتے ہیں کہ۔

اس اقتباس میں آپ کا جھمی عقیدہ کھل کر آگیا ہے جس کو کفر کہنے میں امام بخاری نے دیر نہیں کی۔

جھم بن صفوان کا عقیدہ تھا کہ اللہ عرش پر کہیں کسی Throne پر نہیں ہے۔ وہ اپنی مخلوق کے ساتھ موجود ہے۔ یہ عقیدہ باطل ہے۔ اللہ مخلوق سے الگ ہے وہ اپنی مخلوق سے ملا ہوا نہیں ہے۔

ورنہ تمام کائنات لافانی ہے۔ میں اور آپ بھی لافانی ہیں۔ اگر اللہ ہمارے اندر سرایت کیا ہوا ہے

میرا کہنا صرف اتنا ہے کہ اللہ تعالی نے فاصلے اور وقت کو پیدا کیا ہے۔ اللہ وقت اور فاصلے سے آزاد ہے۔ اسے سات آسمانوں کے اوپر ایک محدود جگہ تک محدود و مقید نہیں میا جاسکتا۔ ایسا خالق کے ساتھ نہیں کیا جاسکتا بلکہ مخلوق یا شے کے ساتھ ہی کیا جاسکتا ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ۔ لیس کمثلہ شیئ۔ کوئی چیز اس کی مانند ہو سکتی ہی نہیں۔ ہم جس شے کا بھی تصور کر سکتے ہیں وہ ایک شے ہے، مخلوق ہے اور اللہ اس کی مانند ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر کوئی پیدائشی اندھا آپ کے ساتھ باغ کی سیر کو جاتا ہے آپ اسے رنگ برنگی تتلیوں اور پھولوں کے بارے میں بتاتے ہیں وہ آپ سے پوچھے کہ ہرے رنگ میں اور لال رنگ میں کیا فرق ہوتا ہے؟ آپ چاہیں بھی تو رنگوں کی اصل سے اس کو مطلع نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ اس میں اس کی اہلیت ہی نہیں ہے۔ آپ بس ایک کام کر سکتے ہیں کہ ایک مماثل کیفیت میں، مثال کی صورت میں اسے سمجھانے کی کوشش کریں۔ یہی معاملہ ات باری تعالی کا ہے۔ وہ محدود نہیں ہے، جبکہ ساری مخلوق محدود ہے۔ اللہ کبھی کہتا ہے کہ۔ خلقت بیدی ۔ کبھی اپنی پنڈلی کا ذکر کرتا ہے تو یہ محض ایک مثالی صورت ہے۔ تمثیل کا پیرایہ ہے۔

دیکھئے مریم ع عالم طبعی کے اصولوں کے تحت اپنے کاندھے کے فرشتوں کو نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ لیکن جب فرشتے کو عیسی ع کی ولادت کے سلسلے میں ان سے معاملہ کرنا تھا تو فرشتے کیلیئے لازم تھا کہ طبع عالم کے اصولوں کے تحت آکر ان سے معاملہ کرے ۔ فرشتہ ایک بشر کی مثالی صورت میں انکے پاس آیا۔ بقول قرآن۔ فتمثل لھا بشرا سویا ۔

پس اللہ مخلوقات میں حلول کئے ہوئے نہیں ہے۔ لیکن اللہ کی موجودگی ہر انسان کی شہ رگ سے بھی قریب ہے۔ جہاں ہم ہوتے ہیں وہ ہمارے ساتھ ہوتا ہے۔ و ھو معکم اینما کنتم ۔ اسی طرح اللہ کی جنت، جھنم، عرش، کرسی، آسمان وغیرہ

کے نظام کی بابت ہمیں سمجھانا ہے تو ہم اندھوں کو ایک مثال کی صورت میں اور ایک تمثیل کے پیرائے میں ہی بیان کیا جا سکتا ہے۔

یوسف ع کی روح نے انکے طبعی حیوانی جسم کو عارضی طور سے چھوڑا اور قبض ہو کر عجب الذنب میں موجود اپنے اصل تراب والے جسم تک محدود ہوئی۔ اب وہ عارضی طور سے فوق الطبعی اصولوں کے تحت آ چکے تھے۔ جہاں انہوں نے مستقبل میں پیش آنے والی اس حقیقت کا مشاہدہ کیا کہ۔ انکے والدین اور گیارہ بھائی انکی بادشاہی میں انکے آگے موجود ہیں۔ جب آنکھ کھلی تو وہ پھر سے عالم طبعی کے اصولوں کے تحت آ گئے۔ ان کے لئے ممکن ہی نہ تھا کہ اصل حقیقت کا مشاہدہ جوں کا توں یاد رکھ پاتے۔ وہی ایک صورت تھی کہ مماثل کیفیت میں، ایک تمثیل کے پیرائے میں یاد رہے۔ انکو یاد رہا کہ سورج اور چاند اور گیارہ ستارے انہیں سجدہ کر رہے تھے۔ ظاہر ہے یہ حقیقت نہ تھی۔ سورج اپنی جگہ چھوڑ کر انہیں سجدہ کرنے نہ پہنچا ہو گا۔ لیکن ان کی یاد سچی تھی اگرچہ تمثیل کے پیرائے میں تھی۔

جناب کلام المیت علی الجنازہ جو کہ بخاری نے باقاعدہ باب باندھا ہے۔ آپ چاہیں بھی تو نبی ص کے سیدھے الفاظ اور مفہوم کے مطابق اس حدیث کو قبول نہیں کر سکتے کیونکہ اس کو قبول کرنے سے سارا برزخی شیش محل دھڑام سے نیچے گرتا ہے۔ اس لئے زبردستی کی تاویلیں پیش کر رہے ہیں۔ آپ کا یہ حق تو ضرور بنتا ہے کہ مکمل چھان بین کر لیں کہ یہی الفاظ نبی ص کے ہیں یا نہیں۔ جب پتہ چل جائے کہ ہاں یہ الفاظ یقینی طور سے نبی ص ہی کے الفاظ ہیں۔ تو پھر اللہ کی اس تاکید کو نگاہ میں رکھنا چاہئے کہ جو نبی ص تم کو دیں اس کو تھام لو اور جس چیز سے روکیں اس سے رک جائو۔

انصاف سے فیصلہ کیجئے ہم میں سے کون ہے جو نبی ص کے الفاظ کو زبردستی کھینچ تان کر اپنی مرضی کے تابع لانے کی کوشش کر رہا ہے اور کون ہے جو الفاظ کو من و عن قبول کر رہا ہے؟

آپ کلام المیت والی حدیث کے الفاظ بھی سامنے رکھیں اور اپنے درج ذیل الفاظ بھی سامنے رکھیں۔

آپکے الفاظ۔

آپ اس حدیث کی شروحات سے ہی لاعلم ہیں۔ یہ حدیث شروع سے ہی تشریحات کا مرکز رہی ہے مثلا

مرقاۃالمفاتیح شرح مشکاۃالمصابیح کے مطابق یہ

بِلِسَانِ الْحَالِ اِوْ بِلِسَانِ الْمَقَالِ زبان حال یا مقال ہے۔

زبان مقال یعنی کہنے والوں کا قول ہے جو میت کو لے کر جا رہے ہوتے ہیں یا زبان حال ہے یعنی حالات میت بتا رہی ہوتی ہے کہ میت نیک تھی یا بد

آپ صرف الفاظ کے گورکھ دھندوں میں نبی ص کے صاف اور سیدھے سمجھ میں آنے والے الفاظ کو جھٹلا رہے ہیں۔

نبی ص کو جو خواب میں آگ میں تنور میں جلتے ہوئے دکھایا گیا۔ وہ (مجھے غلط یاد رہ گیا تھا کہ یہ بھی معراج کے مشاہدے میں سے تھا) بہرحال ایک مثالی کیفیت تھے جو کہ جاگنے پر آپ ص کو بالکل اسی طرح یاد رہی جس طرح یوسف ع کو یاد رہا تھا کہ سورج اور چاند انہیں سجدہ کر رہے تھے۔ نہ سورج اعر چاند اور گیارہ ستارے یوسف ع کو سجدہ کرنے پہنچے تھے اور نہ ہی آگ کا تنور تھا۔

سارے زانی اپنی اپنی اصل قبر یعنی مردار عجب الذنب کے اندر روح + تراب کی شکل میں موجود تھے۔ گھومتی ہوئی زمین ہر بارہ گھنٹے بعد انکی قبر کو عین جھنم کی سیدھ میں لے آتی ہے جس سے وہ ایک طرح سے جھنم پر پیش ہو جاتے ہیں۔ اور عذاب کی شدت اور تپش بھی عروج پر پہنچ جاتی ہے۔ پھر زمین گھومتے ہوئے اس سیدھ سے دور ہوتی ہے تو عذاب میں کمی ہونے لگتی ہے۔ اس طرح گھومتی زمین ہر زانی کو ایک سائیکل میں پھنسائے رکھتی ہے، گویا وہ ایک مسلسل کم ہوتے اور بڑھتے ہوئے عذاب کی کیفیت میں مبتلا رہتا ہے۔ اس طرح نبی ص کو جو مماثل کیفیت میں یاد رہا اس کی سمجھ بھی آ سکتی ہے کہ گویا سارے زانی ایہک تنور میں ہیں اور اوپر نیچے جا رہے ہیں۔

ا۔ زانیوں کے عذاب کا تعلق زمین کی گھومتی حرکت سے ہے کیونکہ وہ صبح و شام آگ پر پیش ہوتے ہیں۔ فرعونی بھی صبح و شام آگ پر پیش ہوتے ہیں۔ اگر عثمانی صاحب کے اسمانوں پر واقع کسی جھنم کے تنور کی بات کی جائے تو وہاں صبح و شام کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے زانیوں کا اور فرعونیوں کا عذاب اسی گھومتی زمین پر یعنی صڈبح و شام کے ساتھ ہوتا ہے۔

۲۔ فرعونی تک صبح و شام صرف آگ پر پیش ہوتے ہیں۔ باقاعدہ آگ کے اندر جھونکے نہیں جاتے۔ آگ کے اندر جھونکے جانے کا عمل بہر حال حساب کتاب کے بعد ہوگا۔ لیکن عثمانی صاحب کے موقف کے مطابق اس وقت بھی زانی باقاعدہ آگ کے اندر جلتے ہوئے اوپر نیچے آ جا رہے ہیں۔ جو کہ خود قرآن کی بات میں ایک صریح تناقض پیدا کر کے ہی رکھتا ہے۔

شہید کا بعد از شہادت وجود ہی ایک ذرے یا ایک وائرس کے برابر ہو سکتا ہے جس کیلئے ایک گندم کا دانہ بھی کئی محلوں جتنی وسیع و عریض جگہ ہو سکتا ہے؟ اگر یہ گندم کے دانے جتنی جگہ خود شہید ہی کے حیوانی جسم کا کوئی حصہ محفوظ کر کے اس کو بہم پہنچا دی جاتی ہو تو کیا جنت کی اور راحتوں کی رسائی وہاں تک نہیں ہو سکتی۔ جبکہ آپ اور میں دونوں ایمان رکھتے ہیں کہ ہماری نگاہوں کے سامنے اللہ اور فرشتے مرنے والے کے ساتھ کاروائی کے وقت ہم سے بھی زیادہ اس کے قریب ہوتے ہیں؟

پھر یہاں مقام اور کیفیت سے کہیں زیادہ گھمبیر مسئلہ دوسری زندگی اور تیسری زندگی کا کھڑا ہو جاتا ہے جسے اصل موضوع ہونا چاہئے لیکن آپ اس پر کوئی جواب نہ تو دے رہے ہیں اور نہ ہی کوئی معقول جواب آپکے پاس ممکن بھی ہو سکتا ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ۔ و اذا شئنا بدلنا امثالھم تبدیلا ۔ اور ہم جب چاہتے ہیں انکے قالب و جسم بدل دیتے ہیں ۔ عہد الست امیر حمزہ رض نے بھی دیا تھا۔ پھر یقیناً ماں کے پیٹ سے ماں کی گود میں کا ہی وجود گزار رہا ہے۔ پس اصل وجود ایک ہی رہتا ہے۔ خواہ اس کے جسم اور قالب کتنے ہی کیوں نہ بدلتے رہیں

لیکن اپنی برزخی تھیوری میں ڈاکٹر عثمانی صاحب کو شدید الجھن پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ انہوں نے غزوہ احد میں شہادت کے وقت ہی امیر حمزہ رض کو دوسری موت دے دی۔ حالانکہ امیر حمزہ رض صرف چھے فٹ کا حیوانی جسم چھوڑ کر اور موت کا ذائقہ چکھ کر اپنی اسی اصل حالت میں آ گئے تھے جو کہ عہد الست کے وقت انہیں حاصل تھی یعنی روح اور منحنی جسم حقیقی۔ یہ انکی دوسری موت نہ تھی۔ ہر انسان کی طرح انکی دوسری موت بھی قیامت کے صور پر ہی آنی ہے۔ لیکن عثمانی صاحب نے دوسری موت تو دے دی لیکن اب کیا کریں؟ کیا اس وقت امیر حمزہ رض کی موت کا دورانیہ چل رہا ہے؟ ہر گز نہیں! وہی امیر حمزہ رض جنہوں نے عہد الست دیا، جنہوں نے بچپن، لڑکپن، جوانی گزاری، پھر شہید ہوئے، کسی اور کو نہیں انہی امیر حمزہ رض کو رزق پاتی زندگی عطا ہوئی ہے۔ لیکن عثمانی صاحب اس زندگی کے دورانئے کو موت کے دورانئے میں شمار کرنے پر مجبور ہیں۔ کیونکہ انہوں نے امیر حمزہ رض کو ایک برزخی جسم دیا ہے اور عثمانی صاحب کے بقول برزخی جسم کے

ساتھ زندگی انسان کی زندگی میں شمار نہیں کی جاسکتی؟ لیکن کیوں؟ اللہ نے تاکید کی ہے کہ امیر حمزہ رض ہی زندہ ہیں اور رزق پاتی زندگی گزار رہے ہیں لیکن عثمانی صاحب مصر ہیں کہ کیونکہ امیر حمزہ رض کا جسم برزخی ہے اس لئے انکی زندگی کا نہیں بلکہ موت کا دورانیہ چل رہا ہے؟

زندگی اور موت کا ایک آفاقی اصول ہے کہ روح اگر ایک جسم سے مکمل طور سے الگ ہو کر ایک بالکل نئے جسم میں داخل ہو کر وہی وجود بناتی ہے جس وجود کو پہلے کوئی اور جسم میسر تھا۔ تو یہ اسی وجود کی دوسری زندگی قرار پا کر ہی رہے گی۔ جب دوسرا صور پھونکا جائے گا تو سارے انسانوں کو ایک نیا ایسا جسم ملے گا جو کہ جلنے پر دوبارہ بنتا جائے، ظاہر ہے یہ جسم اس چھے فٹ کے جسم سے تو بالکل الگ ہوا لہذا وہ دوسری زندگی قرار پا کر ہی رہتی ہے۔

اب اگر عثمانی صاحب کی تھیوری کے لحاظ سے دیکھا جائے تو امیر حمزہ رض کی روح نے چھے فٹ کا جسم چھوڑ دیا اور ایک بالکل نئے جسم میں جا کر انہی امیر حمزہ رض کا ہی وجود بنایا اور پھر امیر حمزہ رض ہی رزق پاتی زندگی گزارنے لگ جاتے ہیں تو یہ کیونکر دوسری زندگی قرار نہیں پاتی؟ تو جب دوسرے صور پر سارے انسانوں کے ساتھ امیر حمزہ رض بھی اپنی عجب الذنب پر زمین سے پیدا ہوں گے تو کیا وہ امیر حمزہ رض ہی کی تیسری زندگی قرار نہیں پاتی؟

اس طرح عثمانی صاحب موت اور زندگی کا آفاقی اصول بھی توڑ رہے ہیں۔ اور جواز یہ فراہم کر رہے ہیں کہ کیونکہ جسم برزخی ہوگا؟ یہ کیا بات ہوئی؟ اصل چیز تو وجود ہوتا ہے؟ امیر حمزہ رض رزق پاتی زندگی گزاریں۔ اللہ تاکید کرے کہ انکو مردہ مت کہو۔ اور ہم اپنی تھیوری کے دفاع میں کہیں کہ نہیں کیونکہ امیر حمزہ رض کا جسم برزخی ہے اس لئے انکی زندگی نہیں بلکہ موت کا دورانیہ چل رہا ہے۔

جہاں تک انبیاع اور شہیدوں کی راحت بھری زندگیوں کا تعلق ہے جب تک آپ اللہ کو اس کے عرش کو، اس کی جنتوں کو - ، اس کی جھنموں کو۔ اپنے طبعی عالم کے وقت اوعر فاصلے کی بندشوں سے آزاد نہیں کرتے۔ آپ کو سب چیزیں اور مقامات طبعی عالم کے فاصلے کے اصولوں کے تحت تخلیق و تعمیر کرنے پڑیں گے۔

نبی ص ہوں یا کوئی بھی وفات یافتہ انسان ہو۔ موت کے بعد اس کا مقام بہر حال زمینی قبر ہی ہے۔ ان کا اصل وجود محفوظ عجب الذنب میں موجود ہے۔ ہر انسان کا اصل وجود روح + تراب والے منخنی جسم حقیقی پر مشتمل ہے۔ یہی روح + تراب

ہی انسان کا اصل نفس ہے۔ عہد الست کے وقت بھی اسی نفس یعنی روح + تراب نے ہی نظام ربوبیت کا مشاہدہ کیا تھا۔ یہی روح + تراب کا نفس ہی رحم مادر میں اس وقت پہنچا دیا جاتا ہے جب حیوانی بچے کی عجب الزنب بن جاتی ہے۔ عجب الذنب ہی قیامت تک کیلئے روح + تراب کا مسکن ہوتی ہے۔ جب انسان کے موت کا ذائقہ چکھنے کا وقت آ جاتا ہے تو روح + تراب یعنی نفس کا تعلق مستقل طعر سے حیوانی جسم سے ختم ہو جاتا ہے اور وہ محفوظ و مر دار عجب الذنب میں مقید ہو جاتی ہے۔ جنازے پر یہی مر دار عجب الذنب کے اندر روح + تراب کی کیفیت میں موجود اصل نفس کلام کرتا ہے۔ زمینی قبر میں یہی روح + تراب جوتوں کی چاپ سنتا ہے۔

نبی ص اور دیگر انبیا بھی روح + تراب کی شکل میں اپنی زمینی قبروں میں ہی موجود ہیں۔ اللہ، اس کی نعمتوں، جنتوں، عرش کیلئے وقت اور فاصلہ کوئی معنی نہیں رکھتے۔ اللہ نے نبی ص اور شہیدوں کیلئے عجب الذنب ہی میں اتنی کشادگی پیدا کر دی ہے کہ وہ وسیع جنتوں جیسا ماحول پاتے ہیں۔ جس طرح اللہ ہر مرنے والے انسان کے پاس اس کے عزیزوں سے بھی زیادہ قریب یہیں زمین پر ہی موجود ہوتا ہے۔ ویسے ہی اللہ زمینی قبر میں یعنی عجب الذنب کے اندر روح + تراب کی شکل میں موجود انبیا اور شہیدوں کے نفس کے بھی پاس اپنی جنت کی نعمتوں کی فراوانیوں کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔ لیکن ہم و لکن لا تبصرون اور و لکن لا تشعرون کی حدود سے محدود ہیں۔

الغرض نبی ص اور شہید اپنی زمینی قبروں میں ہی زندہ ہیں۔ با قاعدہ رزق پاتی زندگی گزار رہے ہیں۔ جنتوں کی نعمتوں کی فراوانیاں، اور وسعتیں سب اہتمام انہی زمینی قبروں میں کر دیے گئے ہیں۔ یہ اپنے رب کے پاس اور قریب ہیں۔ آسمان اور عرش اور اعلی ترین جنتیں ان سے ملی ہوئی ہیں۔ انکو کہیں جانے کی ضرورت نہیں جنتیں، انکا رب اور آسمان سب انکے پاس ہیں۔ لیکن ہم و لکن لا تبصرون اور و لکن لا تشعرون کی زنجیروں میں جکڑے ان حقیقتوں کا ادراک کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔

آپ نے میری بات کو غلط سمجھ کر اس غلط نکتے پر دلائل اور اعتراجات کی بھرمار کر دی۔ آپ عرض کرتے ہیں کہ۔

عجب الذنب ہڈی میں روح آتی ہے اس پر نص درکار ہے جو آپ کے پاس نہیں ہے لہٰذا اس فلسفہ کی کوئی وقعت نہیں ہے۔

میں نے تو ہر جگہ یہ بات کی ہے کہ انسان کا وہ تراب والا اصل جسم جو کہ نطفہ سے پہلے تخلیق کیا گیا تھا جو اسے عہد الست کے وقت میسر تھا۔ ظاہر ہے اس جسم میں کوئی عجب الذنب نہ تھی۔ وہی جسم جس مقام پر محفوظ رکھا جاتا ہے وہ مقام خود قیامت تک محفوظ رکھی جانے والی عجب الذنب ہی ہوتا ہے۔ روح عجب الذنب کو قیامت تک کیلئے مردار کرکے اسی مردار و محضفوظ عجب الذنب کے اندر اپنے اصل تراب والے جسم تک محدود و مقید ہو کر رہ جاتی ہے۔ انسان کی پہلی زندگی کا خاتمہ ہی نہیں ہوتا۔ پہلی زندگی کا خاتمہ پہلے صور پر ہو گا جب تراب والے جسم کو بھی روح قیامت تک کیلئے چھوڑ کر آزاد ہو جائے گی۔

پس روح لوٹتی تو ہے ہی نہیں۔ روح اپنے تراب والے جسم میں نیند کے وقت عارضی طور سے مقید ہو جایا کرتی تھی۔ اب پکی موت کے وقت مستقل پہلے صور تک کیلئے مقید ہو جاتی ہے۔ یہی عجب الذنب ہی اصل قبر بن جاتی ہے۔

آخر میں آپ نے تمام باطل فلسفوں کا رد کرنے والی حدیث پیش کی ہے۔ لیکن مجھے تو کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کس طرح یہ حدیث میرے موقف کو باطل قرار دے رہی ہے۔ آپ نے حدیث پیش کی ہے کہ۔

کعب نے کہا اللہ تمہاری مغفرت کرے کیا تم نے سنا نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلم کی روح، پرندہ ہے جنت کے درخت پر لٹکتی ہے یہاں تک کہ روز محشر اللہ اسکو اس کے جسد میں لوٹا دے ام مبشر نے کہا سچ کہا میں اللہ سے مغفرت طلب کرتی ہوں۔

اس کی سند صحیح ہے۔

محترم میرا کہنا یہ ہے کہ پہلے صور تک انسان کی پہلی زندگی کا دورانیہ چلتا رہتا ہے۔ جو نفوس موت کا ذائقہ چکھ کر عذاب یا راحت کے پراسس کیلئے فوق الطبعی عالم کے اصولوں کے تحت اپنی اصل قبر یعنی مردار و محفوظ عجب الذنب کے اندر روح + تراب کی شکل میں موجود ہوتے ہیں۔ ان سب کی دوسری موت کا دورانیہ پہلے صور پر شروع ہو جائے گا جب ارواح تراب والا اصل جسد بھی چھوڑ کر آزاد ہو جائیں گی۔ ہم اس کے بعد کی ہو بہو کیفیت کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے لیکن ایک مثال کی صورت یوں ہمیں بتایا گیا ہے کہ مومن کی روح جنت کے درخت پر لٹکتی ہے۔ یہاں تک کہ روز محشر اللہ اس کو اس کے جسد (تراب والے اصل جسم) یوں لوٹا دے گا۔

آپ اس حدیث کو جنت میں راحت پانے کی کیفیت کی جانب زبردستی موڑنا چاہ رہے ہیں۔ لیکن آپ کو خود ادراک نہیں کہ اس سے خود آپ کے فلسفے پر چوٹ پڑ رہی ہے۔ محترم اگر مومن کی روح اپنے اصل جسد سے محروم ہے تو مومن کا وجود ہی ممکن نہیں۔ جب وجود ہی ممکن نہیں تو راحت بھی ممکن نہیں

جواب

جناب سارے زانی قبروں میں نہیں جاتے بعض سمندر میں ڈوبتے ہیں ، بعض جلا دیے جاتے ہیں، بعض کو پرندے کھا جاتے ہیں لیکن عذاب حدیث کے مطابق ان تمام زانیوں کو جسموں کو ہو رہا تھا جو برزخ میں دیا جا رہا تھا- یہ کوئی مثالی کیفیت نہیں تھا حقیقت تھا-اس حدیث کو کسی شارح حدیث نے مثالی قرار نہیں دیا بلکہ اس حدیث میں الفاظ ہیں ایسا ان لوگوں کے ساتھ قیامت تک ہو گا-

آپ نے کہا

زمین گھومتی ہے تو جہنم کی سمت میں ہو جاتی ہے –

یہ سب کیا بکواسیات ہے ؟اس کا کون قائل ہے؟ کوئی بھی نہیں- جہنم اور سورج الگ الگ ہیں- صبح شام کا تصور جنت و جہنم میں موجود ہے جہاں سورج نہیں ہے-قرآن میں ہے

لا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا إِلَّا سَلَامًا ۖ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَعَشِيًّا

-جنتیوں کو صبح و شام رزق ملے گا

اِور یہی بات ال فرعون کے لئے آئی ہے کہ ان کو عذاب صبح و شام ہو گا- مفسرین نے ال فرعون کو صبح و شام عذاب دینے کی .اسی آیت سے تفسیر کی ہے کہ جنت و جہنم میں بھی دن کا تصور ہو گا-

آپ نے کہا

شہید کا بعد از شہادت وجود ہی ایک ذرے یا ایک وائرس کے برابر ہو سکتا ہے--

جناب آپ کے باطل فلسفوں کی اس نئی قسط میں ہے کہ احد کے شہداء جنت میں نہیں عجب الذنب میں قید ہیں۔ استغفر االلہ

جناب اللہ سے توبہ کریں شہداء احد کا مقام حدیث میں بیان ہو چکا ہے کہ وہ عرش رحمان کے نیچے قندیلوں میں ہیں

فرقے تک اس کے قائل ہیں اس حدیث کو رد نہیں کر سکے ہیں۔ آپ واحد ہیں جو گمراہ ہو چکے ہیں شہید کو زمین پر واپس لا رہے ہیں۔ حدیث میں جعفر طیار نام دیا گیا ہے اور کہا گیا ان کے پاس پر ہیں جن سے جنت میں اڑتے ہیں یہ نہیں کہا گیا کہ جنت میں حشر کے بعد جائیں گے۔ معراج پر انبیاء سے کہاں ملاقات ہوئی؟ جنتوں میں ہوئی نہ کہ عجب الذنب میں قید انبیاء کی روحوں سے۔ مزید آپ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے قول کا رد کر رہے ہیں کہ مومن کی روح پرندہ ہے جو جنت کے درخت پر رہتا ہے۔ ان نصوص کی موجودگی میں آپ کے باطل نظریات کی کوئی گنجائش نہیں رہتی نہ ان کا کوئی عالم قائل ہے۔ آپ کے جہل کا منہ بولتا ثبوت یہ تحریر ہے کہ نبی امین صادق و امین کی روح تک کو عجب الذنب میں قید سمجھ لیا ہے قرآن شہید کے لئے کہتا ہے صاحب یاسین کو حکم دیا گیا جنت میں داخل ہو جا۔

اور معراج پر انبیاء سے جنت میں ملاقات ہوئی۔ وقت اور فاصلے کو بیچ میں لا کر آپ مسلسل جنت کا انکار کر رہے ہیں۔

.برزخی جسم پر کیا دلائل موجود نہیں ہیں؟ حدیث میں ہے

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر کے سال نکلے، تو ہمیں غنیمت میں نہ سونا ہاتھ آیا نہ چاندی، البتہ کپڑے اور مال و اسباب ملے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی القری کی جانب چلے اور آپ کو ایک کالا غلام ہدیہ میں دیا گیا تھا جس کا نام مدعم تھا، جب لوگ وادی القری میں پہنچے تو مدعم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ کا پالان اتار رہا تھا، اتنے میں اس کو ایک تیر آ لگا اور وہ مر گیا، لوگوں نے کہا اس کے لیے جنت کی مبارک بادی ہو، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ہرگز نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! وہ چادر جو اس نے خیبر کی لڑائی میں غنیمت کے مال سے تقسیم سے قبل لی تھی اس پر آگ بن کر بھڑک رہی ہے“۔ جب لوگوں نے یہ سنا تو ایک شخص ایک یا دو تسمے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”یہ آگ کا ایک تسمہ ہے۔ یا فرمایا ”آگ کے دو تسمے ہیں“۔

آپ نے کہا

آپ نے میری بات کو غلط سمجھ کر اس غلط نکتے پر دلائل اور اعتراجات کی بھرمار کر دی ۔ آپ عرض کرتے ہیں کہ ۔

جناب آپ کی تمام باتیں چند مفروضوں پر منبی ہیں کہ روح عجب الذنب میں مٹی سے بنے کسی جسم میں قید ہے۔ اس کی دلیل درکار ہے؟؟

تراب والا جسم تو آدم کا تھا اس کے بعد تو تمام انسان گوشت و خون کا مرکب ہیں۔ یہ سب بنی آدم ہیں اس بنا پر اصل میں ان کا ڈی این اے وہی ہے جو تراب میں عہد الست کے دور میں پیدا ہوا اس میں روح پھونکی گئی اور مرنے پر اس روح کو جسم سے نکالا گیا لہذا اخراج نفس کا ذکر قرآن میں ہے۔ اخراج کا مطلب واپس عجب الذنب میں دخول نہیں ہے کہ عجب الذنب کی ڈبیہ میں بند کر دو۔ افسوس آپ کا سارا دین ہی آپ کے اپنے مفروضوں پر مبنی نکل رہا ہے۔ عجب الذنب رہے گی لیکن ایک مردہ ہڈی کی طرح رہے گی اور اللہ اس میں روح و نفس قیامت پر ڈالے گا۔

(7) وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ

اور جب نفوس (و ارواح) جسموں سے جوڑی جائیں گی ۔

آپ نے کہا

آخر میں آپ نے تمام باطل فلسفوں کا رد کرنے والی حدیث پیش کی ہے ۔ لیکن مجھے تو کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کس طرح یہ حدیث میرے موقف کو باطل قرار دے رہی ہے

جناب آپ نے اس حدیث کا رد کر دیا اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہ پر فتوی لگا دیا کہ ان کو حقیقی علم نہیں تھا وہ حقیقت و تمثیل کو نہیں سمجھتے ہیں لیکن بقول آپ کے میں سمجھتا ہوں مومن کی روح کا کوئی جنت میں اس وقت وجود ہی نہیں وہ تو عجب الذنب میں قید ہے۔ یہ جھل در جھل ہے۔ مومن کی روح جنتوں میں ہے اور ان تمام احادیث کو تمثیل قرار دے کر آپ فرد واحد ان سے جان چھڑا رہے ہیں۔ جبکہ ہمارے مخالف فرقوں کے علماء متقدمین و متاخرین تمام کا قول یہی ہے کہ انبیاء جنتوں میں ہیں اور شہداء جنتوں میں ہیں، ان میں سے بعض ان روحوں کو کبھی ان اجسام ارضی میں لاتے ہیں لیکن ان میں

کوئی ان احادیث کو تمثیل کہہ کر رد نہیں کرتا- تمثیلی بات جب بھی حدیث میں بیان ہوئی ہے تو اس کو واضح کیا گیا ہے یہ نہیں کہ اصحاب رسول کو کونفیوز حالت میں چھوڑ دیا جاتا- اگر کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث تمثیلی تھی تو انہوں نے صحابیہ سے یہ حدیث کیوں بیان کی؟ نصوص کی موجودگی میں آپ کے اپنے ذھن سے تراشیدہ افکار کی کوئی جگہ نہیں حتی کہ فرقے بھی اس کے قائل نہیں

آپ نے کہا

کلام المیت علی الجنازہ جو کہ بخاری نے باقاعدہ باب باندھا ہے - آپ چاہیں بھی تو نبی ص کے سیدھے الفاظ اور مفہوم کے مطابق اس حدیث کو قبول نہیں کر سکتے کیونکہ اس کو قبول کرنے سے سارا برزخی شیش محل دھڑام سے نیچے گرتا ہے --

جناب کلام المیت کا باب امام بخاری نے ہی باندھا ہے اس پر حتمی ہم کو معلوم نہیں ہے کیونکہ یہ معلوم ہے کہ صحیح کے تمام ابواب امام بخاری کے قائم کردہ نہیں ہیں- پھر صاحب مشکات نور الدین ملا علی بن سلطان محمد الہروی القاری (علی القاری)- محمد الخطیب التبریزی پر بھی اپنی بھڑاس نکالی ہے کہ انہوں نے الفاظ کے گورکھ دھندوں میں حدیث کو رد کیا ہے۔ یعنی حدیث صرف آپ کو اور آپ کے ہم نوا فلاسفہ کو سمجھ آئی ہے- شارحین حدیث بھی آپ کے پاسنگ نہیں ان کو بھی شرح کرنے سے پہلے آپ کے جنم کا انتظار کرنا چاہیے تھا کہ آپ کی روح آتی اور اس حدیث کی تشریح کرتی۔ موصوف آپ کی تشریح ایك تشریح ہی ہے لیکن اس میں جو Extrapolation یا لچك پیدا کر کے آپ نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے کہ مردے میں روح آ گئی یہ متن حدیث میں موجود نہیں ہے۔

آپ نے پھر اپنے جھمی عقیدے کا اعادہ کیا ہے جس کا رد سلف و خلف کے علماء محدثین آشاعرہ کے علماء کرتے آئے ہیں کہ اللہ تعالی کو یہ سمجھا جائے کہ وہ انسانوں کے ساتھ موجود ہے بقول آپ کے اللہ تعالی کو سات آسمانوں کے اوپر محدود نہیں کیا جا سکتا- اس جملے کا کیا مطلب ہے؟ اللہ تعالی عرش پر مستوی ہیں- مخلوق سے الگ ہیں ان کا شہ رگ پر قریب ہونا یا مرنے والے کے قریب ہونا یہ صرف اس کے علم کا ذکر ہے

جنت جہنم، عرش و کرسی آسمان وغیرہ آپ کے نزدیک سب تمثیلی ہیں جبکہ ہمارے نزدیک ابھی بھی موجود ہیں وجود رکھتے ہیں

وقت فاصلوں کا انکار کون کر رہا ہے؟ کوئی نہیں کرتا لیکن جو نظر نہیں آ رہا اس کو تمثیلی کہنا ان کو غیر حقیقی قرار دینے کے مترادف ہے۔ آسمان تک جنات جاتے ہیں وہاں آسمان پر فرشتے ان کو روکتے ہیں شہاب ثاقب پھینکتے ہیں اگر یہ سب تمثیلی ہے ہم نہیں سمجھ سکے تو کیا جنات جو جانتے ہیں کہ آسمان کا رستہ کس طرف ہے وہ تو ہم سے بہتر جانتے ہیں کہ یہ سب حقیقی ہے تمثیلی نہیں ہے۔ آپ غیر ضروری کلام کو اپنی بات کی دلیل میں کیوں لاتے ہیں

عالم طبعی، عالم امر ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں ان میں ہر آن اللہ کا حکم نازل ہو رہا ہے اس کا انکار کوئی نہیں کر رہا لیکن اس کا بحث سے کیا تعلق ہے؟ کوئی تعلق نہیں۔ جنت و جہنم حقیقی ہیں وجود رکھتے ہیں اور انبیاء سے انہی جنتوں میں ملاقات ہوئی اس وقت بھی عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام زمین پر موجود نہیں ہیں جنت میں ہیں جہاں دیگر انبیاء بھی ہیں۔ آپ کے تراشیدہ باطل فلسفوں اور دینی فزکس کی ہمیں ضرورت نہیں۔ انبیاء کی روحوں کو جنت کی وسعتوں سے نکال کر ان کو عجب الذنب میں قید کرنا ان کو عذاب دینے کے مترادف ہے۔ آپ نے قران کی آیت پیش کی وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَـهُـمْ تَبْدِيْلًا پھر اس کے تحت بیان کیا کہ بقول آپ کے قلب و جسم بدل جاتے ہیں امیر حمزہ کو جنت عجب الذنب میں مل گئی۔

افسوس آیات کو ان کے سیاق و سباق سے نکال کر بیان کیا گیا ہے

آیات ہیں

(26) وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَـهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا

اور کچھ حصہ رات میں بھی اس کو سجدہ کیجیے اور رات میں دیر تک اس کی تسبیح کیجیے۔

(27) اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَـةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُـمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا

بے شک یہ لوگ دنیا کو چاہتے ہیں اور اپنے پیچھے ایک بھاری دن کو چھوڑتے ہیں۔

(28) نَّحْنُ خَلَقْنَاهُـمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُـمْ ۖ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَـهُـمْ تَبْدِيْلًا

ہم ہی نے انہیں پیدا کیا اور ان کے جوڑ مضبوط کر دیے اور جب ہم چاہیں ان جیسے ان کے بدلے اور لا سکتے ہیں۔

یہاں بیان ہوا کہ جو ایمان نہیں لاتے ان کو دوسری قوموں سے بدلا جا سکتا ہے۔ یہ مضمون قرآن میں دیگر مقام پر بھی ہے۔ اس کا شہدائے احد سے کوئی تعلق نہیں ہے نہ آپ اپنے فرضی مفروضوں کو ان آیات سے ثابت کر سکے ہیں۔ صرف وہی اصرار ہے کہ شہید کی روح کو عجب الذنب میں قید کیا جائے اور اس کو جنت یہیں عجب الذنب میں پہنچا دیا جائے جہاں بقول آپ کے روح ایک وائرس کی طرح رہ سکتی ہے۔ افسوس در افسوس آپ نے اپنی ذاتی سوچ کو قرآن کی غیر متعلق آیات سے ملا کر نئے عقائد دیے ہیں۔ ان کا رد قرآن میں موجود ہے کہ جنت کی وسعت تو زمین و آسمان کی چوڑائی جیسی ہے اور ایک جنت نہیں ہے جنتیں بہت سی ہیں۔ جنت فردوس ہے، جنت عدن ہے وغیرہ۔ اپنی مرضی سے عقائد نہیں تراشے جاتے بلکہ نصوص کو سمجھ کر عقیدہ اخذ کیا جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ اپنے خیالات کو عقیدہ کہا جائے۔ شہید کی روح عجب الذنب میں قید ہے اس پر نص درکار ہے، جو موجود نہیں۔ لہٰذا آپ کے باطل فلسفوں کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔

فلسفی نے جواباً کہا

محترم میں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ فرعونی اگر آگ کے اندر جھلس رہے ہیں۔ آگ کی لپٹوں کے اندر ہیں تو اس کا مطلب یہی نکلتا ہے کہ انہیں باقاعدہ آگ میں جھانکا جا چکا ہے۔ جبکہ قرآن سے واضح پتہ چلتا ہے کہ فرعونی تک صا آرف آگ پر پیش کئے جاتے ہیں۔ باقاعدہ آگ کے اندر جھونکے جانے کا عمل بہر حال حشر برپا ہونے کے بعد ہی دیا جائے گا جب ہر کسی کی سزا کی مکمل تخمین ہو جائے گی۔ لیکن آپ نے اس کا جو جواب دیا ہے۔ آپ کو خود اندازہ نہیں کہ آپ ایک تناقض سے بچنے کیلئے کتنے سارے تناقضات میں خود کو پھنساتے چلے جا رہے ہیں۔

آپ نے میرے اس اعتراض کا جواب کچھ اس طرح دیا ہے۔

-جناب سارے زانی قبروں میں نہیں تھے بعض سمندر میں تھے بعض جلا دیے گئے تھے بعض کو پرندے کھا گئے تھے ۔

لیکن عذاب ان جسموں کو ہو رہا تھا جو. برزخ میں دیا جا رہا تھا

یہ کوئی مثالی کیفیت نہیں تھا حقیقت تھا کیونکہ اس حدیث کو کسی نے مثالی قرار نہیں دیا بلکہ اس میں الفاظ ہیں ایسا ان لوگوں کے ساتھ قیامت تک ہو گا۔

ا۔ ایک طرف آپ کہتے ہیں کہ ہر انسان کو قبر ملتی ہے۔ میرا کہنا بھی یہی ہے کہ جلا دیے جانے والے ہندو کی بھی اصل قبر اس کی محفوظ عجب الذنب ہی ہے، اسی کے اندر وہ روح + تراب کی حالت میں موجود ہوتا ہے اور عذاب قبر اسے وہیں ملتا ہے۔ لیکن آپ دوسری جانب کہتے ہیں کہ سارے زانی قبروں میں نہیں تھے۔ تو کیا وہ زانی جو جلا دیے گئے تھے، درندوں نے جنہیں کھا لیا تھا، جو سمندر میں تھے، کیا انہیں عزاب قبر نہیں ہو سکتا؟ کیونکہ عذاب قبر تو اسی کو ہو سکتا ہو جسے قبر ملی ہو؟ آپ کے بقول سارے زانی قبروں میں نہیں تھے۔ یعنی ایک تو ہر زانی کو قبر نہیں ملتی۔ سارے زانی قبروں میں نہیں جاتے۔ یہ ہر انسان کو قبل ملتی ہے کا انکار ہے۔ دوسرا جسے قبر ہی نہ ملے اسے عذاب قبر کیونکر ہو سکتا ہے؟

اگر آپ کہتے ہیں کہ کروڑوں میل دور کوئی. برزخی عالم ہے،. برزخی مقام ہے، وہاں خون کی نہروں میں، کھلے تندوروں میں جو عذاب دیا جا رہا ہے وہی عذاب قبر ہے تو آپ کو نص پیش کرنا ہو گی کہ قرآن و حدیث میں کس جگہ ان مقامات کیلئے ۔ قبر۔ یا۔ عذاب قبر۔ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ سارے قرآن میں اور سارے ذخیرہ احادیث میں جہاں بھی لفظ۔ القبر۔ یا۔ القبور۔ استعمال ہوئے ہیں وہ زمینی قبر کا مقام ہے جہاں وفات یافتہ شخص کی عجب الذنب کی موجودگی لازمی ہے۔

جو عذاب نیشنل اسٹیڈیم میں دیا جائے وہ عذاب اسٹیڈیم تو ہو سکتا ہے عذاب قبر نہیں ہو سکتا۔ جو عذاب شاہی قلعہ میں دیا جائے وہ عذاب عذاب شاہی قلعہ تو ہو سکتا ہے وہ عذاب کسی طور بھی عذاب قبر نہیں ہو سکتا۔

میں جس کو اصلی قبر کہہ رہا ہوں وہ قرآن کی آیت ۔ واذا القبور بعثرت والی قبر ہے۔ سارے مکاتب فکر کا اجماع اور اتفاق ہے کہ یہاں القبور سے مراد سارے انسانوں کی جلا دیے جانے والے، درندوں کے کلھائے، سمندروں میں غرق ہونے والے سب کی قبور مراد ہیں۔ اور یہ قبور مقام عجب الذنب ہیں کیونکہ دوسرے صور پر ہر انسان اپنی قبر سے عجب الذنب پر

ہی از سر نو پیدا ہو گا۔ پس اگر میں کہتا ہوں کہ ہر انسان کو قبر ملے گی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر انسان کی عجب الذنب محفوظ ہے۔ ہر زانی کی بھی عجب الذنب محفوظ ہی ہے اور ہر زانی کو بھی قبر بھی ملے گی اور عذاب بھی ملے گا۔

جناب ۳۔ قبر میت کا ٹھکانہ ہوتی ہے۔ زندہ انسان جن مکانوں یا دریائوں یا نہروں میں رہیں وہ زندہ انسانوں کا مسکن تو ہو سکتا ہے۔ قبر کسی طور نہیں ہو سکتا۔ پس عذاب قبر منطقی طور سے ممکن ہے تو اس کی ایک ہی صورت ہے کہ وہ قبر میں ہو اور قبر کے مکین یعنی میت کو ہو۔ کسی متحرک اور زندہ وجود کو نہ ہو۔ حدیث صاف کہتی ہے کہ۔ عذاب القبر حق۔ قبر کا عذاب برحق ہے۔ یعنی عذاب میت کو اس کی قبر میں ملتا ہے۔ جیسا کہ ایک اور حدیث میں صراحت سے آ جاتا ہے۔ کہ المیت یعذب فی قبرہ۔ پس ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ عذاب کسی متحرک وجود کو نہیں ہوتا بلکہ میت کو ہوتا ہے۔ آپ جیسے لوگوں کیلیئے جو عالم امر کے معاملات اور عالم طبعئی کے معاملات میں فرق کو سمجھنے سے قاصر ہیں یہ ایک لا ینحل معمہ سا بن کر رہ جاتا ہے کہ میت بھی ہو یعنی زندگی سے عاری اور وہ بولے بھی، سنے بھی، عذاب بھی سہے۔ اس لئے آپ ایسی ساری قوی احادیث کا انکار کرتے چلے جاتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ اپنے موقف کو قوی احادیث کے مطابق ڈھالتے، ان ساری احادیث کو پائوں تلے روندتے چلے جاتے ہیں جو بھی عذاب میت کو دینے کی بات کرے، یا میت کے بولنے یا سننے کی بات کرے۔

کلام المیت کی حدیث کو شاذ قرار دے کر جس بھونڈے انداز میں اس کی درگت بنا رہے ہیں۔ مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا کہ جس منطق کے تحت آپ کلام المیت کی حدیث کا، جوتوں کی چاپ سننے والی حدیث کا، قبر پر ٹہنیوں والی حدیث کا، المیت یعذب فی قبرہ کا، عمرو بن العاص والی حدیثوں کا انکار کر رہے ہیں اس کی وجہ سوائے اس کے اور کیا ہے کہ۔ یہ احادیث میت میں بولنے، سننے، عذاب سہنے کی بات کرتی ہیں۔ تو میرے عزیز دوست۔ عذاب القبر حق بھی تو اسی قبیل کی حدیث بنتی ہے۔ آپ عذاب قبر ہی کا انکار کیوں نہیں کر دیتے۔ کیونکہ منطقی اور سیدھی سی بات ہے۔ قبر میں عذاب دیا ہی قبر کے باسی کو جا سکتا ہے۔ اور قبر تو ہوتا ہی میت کا مسکن ہے۔ اگر میت نہ بول سکتی ہے، نہ سن سکتی ہے، نہ عذاب سہہ سکتی ہے، تو قبر میں بھی میت ہی ہوا کرتی ہے۔ عذاب قبر کس طرح ممکن ہے؟

میرا کہنا بہت آسان ہے کہ ہر انسان کی اصل قبر (واذاالقبور بعثرت) سے پتہ چلتا ہے کہ عجب الذنب ہے۔ عالم طبعی کا حیوانی جسم چھوڑ کر نفس اپنی اصل حالت روح + تراب میں اپنی قبر عجب الذنب میں ہی مقید ہو جاتا ہے۔ اس سے ارادی و

اختیاری حرکت کا اختیار واپس چھین لیا جاتا ہے۔ اس لئے وہ اب لاچار میت کی مانند ہو جاتا ہے لیکن عالم امر کے اصولوں کے تحت محسوس کرنے، بولنے، سننے، عذاب سہنے کی پوری اہلیت رکھتا ہے۔ میری بات کی تائید۔

ا۔ قرآن کی آیت۔ واذاالقبور بعثرت

۲۔ عذاب القبر حق

۳۔ کلام المیت علی الجنازہ

۳۔ جوتوں کی چاپ سننے والی حدیث

۴۔ المیت یعذب فی قبرہ

۵۔ عمرو بن العاص رض کی وصیت والی حدیث

۶۔ قبر پر ٹہنیاں لگنے والی حدیث

۷۔ نیز سارے قرآن میں جہاں بھی لفظ۔ القبر۔ یا۔ القبور۔ آیا ہے اس سے مراد زمینی قبر کا بننا

کر دیتے ہیں۔

جناب ۳۔ کیا خون کی نہر۔ جس میں کوئی شخص تیر رہا ہو۔ یا آگ کا تنور جس میں کوئی شخص جل رہا ہو۔ قبر کہلائے جا سکتے ہیں؟ کیا وہ تیرتا اور جلتا شخص میت کہلایا جا سکتا ہے؟ اگر نہ وہ مقامات قبر ہیں اور نہ وہ شخص میت ہے تو وہ عذاب کسی طور بھی عذاب قبر کہلایا جا سکتا ہے؟ ہر گز نہیں۔

میرا کہنا بہت آسان ہے۔ جس طرح یوسف ع کو سچا خواب دیکھنے کے بعد یاد رہا کہ۔ سورج اور چاند اور گیارہ ستارے انہیں سجدہ کر رہے تھے۔ جو مشاہدہ یاد رہا وہ جوں کا توں نہ تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ سورج واقعی اپنی جگہ چھوڑ کر انہیں سجدہ کرنے پہنچا ہو۔ بلکہ اصل حقیقت کہ ایک روز انکی بادشاہی میں انکے والدین اور گیارہ بھائی موجود ہوں گے، ایک تمثیل کے پیرائے میں اس طرح یاد رہ گیا کہ گویا سورج اور چاند اور گیارہ ستارے انہیں سجدہ کر رہے ہوں۔ بالکل اسی طرح سچا خواب دیکھنے کے بعد

نبی ص کو جو یاد رہا وہ جوں کا توں نہ تھا۔ آگ کا تنور واقعی موجود نہ تھا۔ بلکہ اپنی اپنی قبر میں ہر زانی بحالت میت عذاب کی جس صورتحال سے دوچار تھا۔ وہ ایک تمثیل کے پیرائے میں نبی ص کو یاد رہ گئی۔

جناب۔ روح ایک لطیف شے ہے جو صرف اپنے رب کے امر سے بے جان جسم میں جان ڈال دیتی ہے۔ روح کے پاس گناہوں کا کوئی ریکارڈ نہیں ہو سکتا۔ گناہوں بھری زندگی کا سارے انسانوں کا مجموعی ریکارڈ تو علیین اور سجیین میں ہوتا ہے۔ لیکن انفرادی طور سے ہر وجود اور ہر ذات کا ریکارڈ اس کے جسم میں ہوتا ہے۔ اور جسم کو بہرحال زمین میں جانا ہوتا ہے۔ قرآن کی سورت الزلزال پر نظر ڈالئے۔ جب زمین ہلا دی جائے گی۔ تو اپنے سارے بوجھ زمین باہر نکالے گی۔ تب انسان اپنا ذرہ.برابر بھی عمل خیر اور عمل شر دیکھے گا۔ یعنی گناہوں کا سارا انفرادی اور ذاتی ریکارڈ زمین کے اندر سے زمینی جسم کے اندر سے.برآمد ہوگا۔

آپ کا کہنا یہ ہے کہ چھ فٹ کے جسم سے روح مکمل طور سے نکل کر آزاد ہو گئی۔ یعنی گناہوں کا ذاتی اور شخصی ریکارڈ روح جسم میں چھوڑ کر خود زیرو میٹر الگ ہو گئی۔ اب اسی روح نے ایک اور زیرو میٹر.برزخی جسم حاصل کیا۔ بغیر گناہوں کی یاد اور ریکارڈ کی روح اور زیرو میٹر.برزخی جسم نے مل کر اسی گناہگار کی ذات اور وجود کو بنا دیا جسے اپنی گناہوں بھری زندگی یاد بھی رہی؟ ایسا ممکن ہی نہیں۔ گناہوں کی یاد ہے کہاں؟ روح کے پاس؟ یہ ممکن نہیں ذاتی ریکارڈ زمین سے نکلے گا جسے انسان دیکھے گا۔ تو کیا زیرو میٹر.برزخی جسم کے پاس؟ یہ بھی ممکن نہیں۔ پس روح اور زیرو میٹر.برز؟خی جسم سے اس گناہگار کا وجود بننا ممکن ہی نہیں جسے اپنی گناہوں بھری زندگی یاد ہو۔

اب آیئے میرے موقف کی جانب۔ انسان کا اصل جسم جس میں عہد الست کی یاد بھی ہے۔ جس میں نیکی اور بدی کی تمیز اور قانون بھی ہے (فالھمھا فجورھا و تقواھا) وہ اصل جسم حقیقی میں ہے۔ پھر جو بھی نیکی اور بدی انسان کرتا ہے اس کا ریکارڈ بھی اسی جسم حقیقی میں ہی ہوتا چلا جاتا ہے جو اب اپنے محفوظ ٹھکانے عجب الذنب میں موجود ہوتا ہے۔ وفات کے بعد روح اسی جسم تک محدود و مقید ہوتی ہے۔ وجود کی پہلی زندگی ہی چل رہی ہوتی ہے لیکن کیفیت موت کی ہو جاتی ہے یعنی ارادی و اختیاری حرکت کے بغیر۔ عذاب و راحت کے سارے مراحل اسی وجود پر گزرتے ہیں جو وجود روح اور گناہوں کے مکمل ریکارڈ والے جسم سے مل کر بنا ہوا ہوتا ہے۔

امید ہے آپکو اپنے موقف کے بہت.بڑے جھول کا اور تناقض کا احساس ہوا ہوگا

جناب۔ آپ کہتے ہیں کہ روح نے ایک جسم مکمل طور سے چھوڑ دیا۔ جس کا صریح مطلب یہی نکلتا ہے کہ وجود کو دوسری موت آگئی۔ انسان کی زندگی اور موت کا پیکج چار دورانیوں پر مشتمل ہے۔ پہلے پہلی موت کا دورانیہ، پھر پہلی زندگی کا دورانیہ، پھر دوسری موت کا دورانیہ، اور پھر ہمیشہ کی دوسری زندگی۔ آپ نے چھ فٹ کے جسم سے روح کو مکمل طور سے نکال کر دوسری موت بھی دے دی۔ یعنی دوسری موت کا دورانیہ شروع ہو گیا۔ پہلی موت تو گزر چکی تھی۔ پہلی زندگی کا دورانیہ بھی گزر گیا۔ اب دوسری موت کا دورانیہ بھی شروع ہو گیا۔ اور آخری چیز رہ گئی کہ دوسرا صور پھونکا جائے تو دوسری ہمیشہ کی زندگی شروع ہو جائے۔ اس طرح گناہگار جس کی موت آ گئی۔ اس کو اگر عذاب قبر کیلئے زندہ ہونا ہے تو روح کو پھر سے جسم تو چاہیئے۔ اس کا انتظام تو آپ.برزخی جسم کے ذریعہ کر دیتے ہیں۔ لیکن جس گناہگار نے گناہ کئے تھے۔ اصل زندگی اور اسل وجود تو اسی گناہگار کا ہے۔ جب آپ نے اسی گناہگار کو جسے آپ نے دوسری موت دے دی۔ کسی بھی قسم کے جسم میں ڈال کر عذاب کیلئے زندگی دی اور وہ عذاب قبر سہتا بھی ہے تو یہ ہر صورت میں اسی گناہگار کے وجود کی قبل از وقت دوسری زندگی بن کر ہی رہتی ہے۔ آپ اپنے اس صریح تناقض سے جان چھڑانے کیلئے یہ راستہ نکالتے ہیں کہ اللہ نے صرف جسد عنصری کے جسم کی زندگیوں اور موتوں کی بات کی ہے۔ اور عذاب قبر والی زندگی.برزخی جسم کی زندگی ہے۔ اس لئے یہ زندگی ان دو موتوں اور زندگیوں میں شامل ہونے والی زندگی نہیں ہے۔ اولا اصل زندگی وجود یا ذات کی ہوتی ہے۔ جس وجود یا جس ذات نے گناہ کئے تھے وہ زندگی کی کسی شکل میں بھی زندہ ہو کر اپنے گناہوں کا عذاب سہتا ہے تو وہ عذاب سہتی زندگی اسی گناہگار کی زندگی قرار پا کر ہی رہتی ہے۔

لیکن اگر جسم کی نوعیت پر بھی بات کر لی جائے جس کو ہاتھ میں پکڑ کر آپ اس تناقض سے فرار حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تو اس سے بھی آپ بھاگ نہیں سکتے۔ دیکھئے آپ کہتے ہیں کہ عذاب قبر میں کیونکہ وہ جسم ملتا ہے جو جل کر، گل کر، سڑ کر دوبارہ بن جاتا ہے، اس لئے یہ.برزخی جسم ہے۔ اس لئے گناہگار کی دوسری زندگی نہیں ہے۔ تو مجھے انصاف سے بتایئے کہ۔ وہی گناہگار ہے۔ وہی گل کر، جل کر، سڑ کر دوبارہ بننے والا جسم اسی گناہگار کو جہنم کے عذاب کیلئے بھی ملتا ہے۔ لیکن اب آپ اسی گناہگار کی اس زندگی کو دوسری زندگی مان رہے ہیں۔ یہ کیا بات ہوئی؟ ایک ہی گناہگار کا وجود ہے۔ ایک ہی روح ہے۔ ایک ہی نوعیت کا جسم ہے۔ ایک ہی طرح کا عذاب ہے۔ ایک مقام پر آپ دوسری زندگی نہیں مان رہے۔

دوسری جگہ زندگی مان رہے ہیں۔ یہ کوئی کھیل اور کھلواڑ تو نہیں ہے،، کہ اپنی مرضی، اپنی خواہش اور موقف کے سامنے جس اصول کو موم کی طرح موڑ لیا؟ یہ آپکے موقف کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دینے والا تناقض ہے۔ جس کی کوئی توجیہ ممکن ہی نہیں ہے۔ اب میرے موقف کی جانب آیئے۔ انسان کی روح چھے فٹ کے جسم سے نکلتی ہے اور اپنے اصل جسم تک مقید و محدود ہو جاتی ہے۔ اس کے وجود کی پہلی زندگی ختم ہی نہیں ہوتی۔ عذاب و راحت کے سارے مراحل محفوظ عجب الذنب میں موجود روح + جسم حقیقی پر مشتمل میت جیسے لاچار انسان پر گزرتے ہیں۔ انسان کی پہلی زندگی کا خاتمہ پہلا صور کرے گا۔ جب سارے انسانوں کی ارواح اپنے اصل جسم سے بھی نکل جائیں گی۔ اور ایک بھی انسان زندہ نہ ہوگا۔ کوئی تناقض نہیں۔ کوئی کھینچ تان یا پریشانی نہیں

جناب قرآن ایک شخص کا واقعہ بیان کرتا ہے کہ وہ شخص، اس کا گدھا اور اس کا کھانا زمین کے ایک مقام پر موجود تھے۔ وہ شخص اور اس کا کھانا اسی زمینی مقام پر عالم امر کے اصولوں کے تحت آ گئے۔ جبکہ اس کا گدھا بدستور عالم طبعی کے اصولوں کے تحت رہا۔ نتیجہ یہ نلا کہ عالم طبعی کے سو سال گزر گئے۔ لیکن وہیں زمین پر اس شخص اور اس کے کھانے کیلئے وقت بے معنی ہو کر رہ گیا۔ اور سو برس بعد بھی وہ شخص اور اس کا کھانا ویسے کے ویسے ہی رہے۔ اس سے جو نتیجہ نکلا۔

۱۔ زمین کے ایک ہی مقام پر دو اصولوں اور کیفیتوں کے تحت واقعات جنم لے سکتے ہیں۔ ایک عالم طبعی کے تحت جس میں سو سال میں گدھا پنجر بن جائے، اور دوسرے عالم امر کے اصلوں کے تحت جس میں وقت اور فاصلہ بے معنی ہو جائے۔

۲۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک معجزہ تھا۔ لیکن آپ اپنے کاندھے کے فرشتوں کو دیکھئے وہ زمین کے ایک ہی مقام پر عالم امر کے اصولوں کے تحت معمول کی کاروائی کرتے ہیں۔ جسے ہم طبعی عالم کے اصولوں اور حدود کے تحت محسوس نہیں کر سکتے

۳۔ اسی طرح ہر مرنے والے کے پاس ایک معمول کے مطابق ہی اللہ اور فرشتے زمین پر موجود ہو کر اپنی کاروائی عالم امر کے اصولوں کے تحت کر رہے ہوتے ہیں۔ لیکن ہم عالم طبعی کے اصولوں سے نہیں نکل سکتے اس لئے ہم اس کاروائی کو نہیں دیکھ پا رہے ہوتے (ولکن لا تبصرون۔ لیکن تم ہمیں نہیں دیکھ پا رہے ہوتے)۔ اور یہ کاروائی بھی کوئی معجزہ نہیں ہوتی بلکہ معمول کی کاروائی ہوتی ہے۔

۴۔ جب وہی وفات یافتہ شخص عالم طبعی سے موت کا ذائقہ چکھتے ہوئے، عالم امر کے فرشتوں کے اصولوں میں منتقل ہوتا ہے تو فرشتے اس کو دکھائی دیتے ہیں جو اسے۔ اخرجوا انفسکم۔ کہہ رہے ہوتے ہیں۔ پھر وہی شخص جنازے پر میت کی حالت میں کلام کرتا ہے۔ یہاں بھی وہی دو عالموں کے اصولوں کا فرق ہے۔ ہم طبعی عالم کے اصولوں کے تحت اس کو کندھوں پر اٹھائے جا رہے ہوتے ہیں۔ جبکہ وہ عالم امر کے اصولوں کے تحت میت کی لاچارگی کی کیفیت میں اپنا لے جایا جانا محسوس کرتا ہے اور پوچھتا ہے کہ مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔ یہ بھی معمول کی اسی کاروائی کا تسلسل ہے جو فرشتوں کے۔ اخرجوا انفسکم۔ سے چل رہی ہوتی ہے۔ وہ کاروائی بھی زمین پر ہوتی ہے۔ یہ کاروائی بھی زمین پر ہوتی ہے۔ لیکن آپ حدیثوں کے اس سارے پیکج کو ہی پاؤں تلے روندتے چلے جا رہے ہیں جو میت کے بولنے، سننے، عذاب سہنے کی بات کرتی ہیں۔ مجھے کچھ اندازہ نہیں کہ فرشتے جو۔ اخرجوا انفسکم۔ کہتے ہیں۔ آپ اسے کس وقت سناتے ہیں۔ کس جگہ سناتے ہیں اور کس وجود کو سناتے ہیں؟ میرا معاملہ تو پھر بہت واضح ہے ہے فرشتے اسی وجود کو سناتے ہیں جو جنازے پر کلام کرتا ہے۔ یعنی اپنی اصل قبر عجب الذنب کے اندر روح + تراب کی شکل میں بحالت میت موجود وفات یافتہ شخص۔

جناب دراصل اس سارے عقلی تناقضات اور جنجالوں میں آپکے پھنسنے کی ایک ہی بنیادی وجہ ہے کہ آپ فوق الطبعی عالم کے اصولوں کے تحت پیش آنے والے واقعات کو بھی فاصلے اور وقت کے انہی اصولوں کے تحت زبردستی لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

طبعی عالم کے اصولوں کے تحت اگر کوسوں میل دور سے ایک ملکہ کا تخت کوسوں میل دور کسی اور جگہ لانا ہے تو۔ لازمی ہے کہ وقت صرف ہو اور فاصلہ طے کیا جائے۔ لیکن یہی کام اسی زمین پر عالم امر یعنی فوق الطبعی عالم کے اصولوں کے تحت کرنا ہوتا ایک عام انسان بھی جسے صرف عالم امر کے اصولوں (کتاب کا علم اور دسترس ہو) وہ پلک جھپکنے میں کر سکتا ہے۔ یہ بات میں اپنے پیٹ سے گھڑ کر نہیں کر رہا بلکہ یہ قرآن میں بتایا گیا واقعہ ہے۔ یعنی اس عام شخص کیلئے فاصلہ اور وقت ایک اوزار کی طرح اس کے ہاتھ میں آ گئے تھے۔ تو مجھے بتایئے کہ جنت اور جہنم میں عذاب و راحت کے پیش آنے والے معاملات میں آپ کیوں زبردستی وقت اور فاصلے کو لانا چاہ رہے ہیں؟ عالم امر کے اصولوں میں فاصلہ اور وقت بے معنی ہے۔ اصحاب کہف عالم طبعی کے تین سو سال رہے لیکن انکو دراصل عالم امر کے اصولوں کے تحت لے لیا گیا تھا اس لئے وقت انکے لئے بے معنی ہو گیا تھا۔ یہی معاملہ معراج کا تھا۔ فاصلہ اگر ہے بھی طبعی عالم کا اور طبعی عالم کے اصولوں کے تحت۔ قرآن میں آپ دیکھ

لیجئے جس فاصلے کا ذکر ہے وہ زمین کا طبعی عالم کا فاصلہ ہے۔ کہ مسجد حرام سے مسجد اقصی تک کا فاصلہ۔ اور وقت بے معنی یعنی طبعی عالم کے فاصلے کی بھئی کوئی وقعت نہ تھی اور وقت کی بھی۔

پس یہ جو عذاب قبر ہے، جنتوں میں شہیدوں کی زندگی ہے، یہ سب ان اصولوں کے تحت پیش آنے والے واقعات ہیں جن میں وقت اور فاصلہ معنی نہیں رکھتا۔ اصول ہی الگ ہیں۔ شہیدوں کی زندگی کی آپ بیسیوں احادیث، جنت اور جھنم کے نقشے دکھا سکتے ہیں۔ لیکن قرآن صرف دو باتیں کرتا ہے۔ شہید باقاعدہ رزق پاتی زندگی گزارتے ہیں۔ تم میں وہ الیت ہی نہیں کہ انکی زندگی کی کیفیت کا ادراک کر سکو۔ ولکن لاتشعرون۔ پس احادیث میں جتنی بھی کیفیت کی تفصیلات ہیں۔ قرآن کا یہ کہہ دینا کہ ولکن لاتشعرون۔ ثابت کر دیتا ہے کہ وہ کیفیات اصل اور جوں کی توں نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ اگر وہ اصل ہیں تو قرآن جھوٹ بولتا ہے کہ ولکن لاتشعرون۔ تم انکی زندگی کا شعور وادراک کر ہی نہیں سکتے۔ اسی طرح قرآن کبھی بھی عذاب قبر کی کیفیت کی بات کبھی بھی نہیں کرے گا کیونہ عذاب قبر عالم امر کے اصولوں کے تحت کاروائی ہے جسے طبعی عالم کے اصولوں کے تحت سمجھا ہی نہیں جاسکتا۔ احادیث میں جو بھی تفصیلات ملتی ہیں وہ محض ایک مماثل کیفیت کا اظہار ہیں کہ یوں سمجھو گویا تمہارے عالم کے لحاظ سے سارے زانی ایک تنور میں جل رہے ہیں۔

جناب کچھ سال قبل ایک اسٹیل مل میں بہتے ہوئے لاوے میں ایک مزدور گر گیا اور اس کا جسم ختم ہو کر رہ گیا لیکن ایک سرمے کی مانند راکھ سی بدستور بہتے ہوئے لاوے پر تیرتی جارہی تھی۔ اور حیرت انگیز طور پر اب لاوا اس راکھ کو مزید کوئی بھی نقصان نہیں پہنچا رہا تھا۔ اس راکھ پر تحقیق کی گئی تو حیرت انگیز نتائج سامنے آئے۔ یہ راکھ انسانی جسم کی دمچی ہڈی (ٹیل بون) کی راکھ تھی اور اس میں ڈی این اے تک محفوظ تھے۔ اس سمت میں مزید تحقیقات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس راکھ کو تابکاری اور کیمیاوی آگ سے تلف کرنے کی ساری کوششیں جب ناکام ثابت ہوئیں تو بہت ہی زبردست دھماکے سے اس میں موجود ڈی این اے کے ریکارڈ کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی لیکن یہ کوشش بھی ناکام ثابت ہوئی۔

تاہم تحقیق کو چند سائنسدان ایک دوسری سمت میں لے گئے اور اس نتیجے پر پہنچے کہ زندگی اس موت سے ختم ہی نہیں ہوتی بلکہ انتہائی منحنی شکل اختیار کر کے ایک نئی یونیورس میں چلی جاتی ہے۔ یہ نتیجہ بھی نکلا کہ اصل انسان تو ایک اجنبی (ایلین) ہے جو کہ اس زمین کے قوانین کا کسی طور باشندہ ہی نہیں۔ ایک سائنسدان نے تقریبا انیس شواہد اور ثبوت دے کر اپنی بات ثابت کی کہ اصل انسان جانور کا صرف جسم استعمال کرتا ہے۔ اور جوں ہی یہ جسم ختم ہوتا ہے وہ ایک نئی کائنات میں انتقال کر

جاتا ہے۔ تحقیات ابھی جاری ہیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ایک رابطے اور ایک پل کی ضرورت ہے۔ جو کہ قرآن و قوی احادیث اور جدید سائنسی تحقیات کے درمیان قائم کیا جائے۔ کیونکہ یہ دونوں کوئی الگ الگ چیزیں اور حقیقتیں نہیں ہیں۔ کوئی بھی اصل سائنسی حقیقت اور انکشاف قرآن و قوی حدیث کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح سائنسی تحقیق کرنے والوں کے ہاتھ میں اگر قرآن کا نسخہ ہو تو انہیں اپنی تحقیق کی سمے سیدھی کرنے میں بہت آسانی پیدا ہو سکتی ہے۔

انیس سو اسی کی دہائی میں اسٹیفنن ہاکنگ سے اسی سلسلے میں جماعت اسلامی کے جناب خرم مراد صاحب کی ملاقات ہوئی۔ تقریباً دو گھنٹے کے تبادلہ خیال کے بعد اسٹیفن ہاکنگ نے کچھ معلومات کی فراہمی کی بات کی۔ اس کو اسی وقت دینیات کا انگریزی میں ترجمہ کردہ نسخہ دیا گیا۔ لیکن مقتدر عالمی قوتوں نے اس سلسلے کو نتیجہ خیز ہونے سے پہلے ہی روک دیا۔ دراصل ہمارے میڈیا اور عالمی معلوماتی چینلز پر ایک مخصوص لادینی گروہ کا قبضہ ہے جو اپنی اللہ کے دین کے انکار پر مبنی اپنی پسند کو ہی زبردستی لوگوں کے سامنے مسلسل لانا چاہتا ہے۔ اور اس پر سائنس کا لیبل لگا کر لوگوں کو گمراہ کرنا چاہتا ہے۔

ا۔ دیکھئے یہ بات تو قرآن کی آیت۔ واذاالقبور بعثرت سے ثابت ہو گئی کہ ہر انسان کو قبر ضرور ملتی ہے اور یہ کہ اس کی اصل قبر مقام عجب الذنب ہے جہاں سے ایک جلا دیا جانے والا ہندو بھی دوبارہ اپنی عجب الذنب سے ہی اٹھے گا۔

۲۔ اب میں کوشش کرتا ہوں کہ مرحلہ وار کس طرح ہم اس حقیقت تک پہنچتے ہیں کہ اسی عجب الذنب کے اندر تراب والا وہ اصل جسم موجود ہوتا ہے جو ہر انسان کا شروع سے آخر تک اصل جسم ہے۔ اور عذاب و راحت بھی اسی جسم کو ملتا ہے۔

۳۔ قرآن میں اللہ کہتا ہے کہ ہم نے تمہیں زمین سے عجیب طرح سے اگایا۔ جو چیز بھی زمین سے اگے۔ اس میں بار بار اگنے کی صلاحیت موجود ہو جاتی ہے۔ ہمارے حقیقی اجسام کا وہ میٹیریل جو زمین سے پھر سے اگنے کی صلاحیت رکھے اللہ نے پہلے مرحلے میں وہ میٹیریل حاصل کیا۔

۴۔ اس میٹیریل کو گلا سڑا کر تراب یعنی مٹی کی شکل دی۔ اس سے پھر آدم ع کا پتلا بنایا۔

۵۔ پھر روح پھونکے جانے اور عہد الست کا مرحلہ آیا۔ قرآن سے صاف پتہ چلتا ہے کہ عہد الست سارے انسانوں سے (نفوس) سے لیا گیا تھا۔ واشھد ھم علی انفسھم۔ یعنی سارے انسانوں کے نفوس عہد الست کے وقت موجود تھے۔

٦۔ یہاں امت میں دو رائے پیدا ہو جاتی ہیں کہ سارے انسان کے نفوس سے مراد آیا مجرد ارواح تھیں؟ یا انہیں کوئی جسم بھی حاصل تھا؟ اور میرے مطابق سارے انسانوں کو باقاعدہ تراب والے منحنی جسم بھی عطا ہوئے تھے۔

٧۔ دیکھئے آدم ع کا پتلا تراب سے بنا تھا۔ اللہ نے روح پھونکے جانے سے قبل اس تراب والے جسم کے ساتھ ۔ سواھا۔ کا پراسس کیا تھا۔ سویتہ و نفخت فیہ من روحی ۔ یعنی یہ ثابت ہوا کہ سواھا کا پراسس جسم کے ساتھ ہوتا ہے، روح کے ساتھ نہیں۔ روح تو سواھا کئے گئے جسم میں پھونکی جاتی ہے۔ یہ نکتہ بہت اہم ہے۔

٨۔ ہم سب کے نفوس میں نیکی اور بدی کی تمیز موجود ہے۔ جبھی ہم اللہ کے آگے جوابدہ ہیں۔ لیکن ہمارے نفس میں یہ نیکی اور بدی کی تمیز کس طرح آئی؟ قرآن کہتا ہے کہ۔ و نفس و ما سواھا۔ فالھمھا فجورھا و تقواھا۔

٩۔ معلوم ہوا کہ ہمارے نفوس سواھا کے پراسس سے گزرے جبھی ان میں نیکی اور بدی کی تمیز آئی تھی۔ اور اس لائق بھی ہوئے تھے کہ چلتے ہوئے نظام ربوبیت کا مشہدہ کر کے اللہ کو جواب دے سکیں کہ کیوں نہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ہی ہمارے رب ہیں۔ کیونکہ سواھا کا پراسس جسم کے ساتھ ہوتا ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ نفس میں جسم بھی موجود ہوتا ہے۔ وہ جسم جس کے ساتھ سواھا کا پراسس ہو کر اس میں نیکی اور بدی کی تمیز الہام کی گئی ہو۔

١٠۔ یعنی عہد الست کے جو ہم سب کے نفوس موجود تھے وہ سواھا کے پراسس سے گزرے تراب والے اجسام کے ساتھ موجود تھے۔

١١۔ کیا قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ اس نطفے سے بنے حیوانی جسم سے قبل بھی ہمیں تراب والا جسم ملا تھا؟ جی ہاں سورت الحج میں اللہ کہتا ہے کہ۔ انا خلقنا کم من تراب ثم من نطفت۔ بے شک ہم نے تمہیں تراب سے تخلیق کیا پھر نطفے سے۔

١٢۔ یہاں وہ لوگ جو عہد الست صرف ارواح سے کرا کے تراب والے جسم کی حقیقت سے جان چھڑانا چاہتے ہیں، فوراً تاویل پیش کرتے ہیں کہ۔ تراب سے تخلیق سے مراد صرف آدم ع تھے۔ پھر حوا بنیں اور بعد کے سارے انسان نطفے سے بنے ہیں ۔ لیکن اللہ سورت الکھف میں ایک عام شخص کے بارے میں کہتا ہے اور اس عام آدمی سے اس کا عام ہی عزیز سوال کرتا ہے کہ۔ اکفرت بالذی خلقك من تراب ثم من نطفت۔ پھر کیا تو اس ذات کا انکار کرتا ہے جس ذات نے تجھے تراب سے تخلیق کیا

پھر نطفے سے۔ یہاں ظاہر ہے جس مخصوص شخص سے خطاب ہے اس مخصوص شخص سے کہا جارہا ہے کہ اللہ نے تجھے تراب سے تخلیق کیا، پھر نطفے سے۔ اور وہ مخصوص شخص بہر حال آدم ع نہیں تھے بلکہ میری اور اپ کی طرح عام شخص تھا۔

۱۳۔ پھر عہد الست عرفات کے میدان میں ہوا تھا۔ اگر صرف ارواح سے ہوا ہوتا تو زمینی میدان کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ دراصل سارے نفوس یعنی تراب سے بنے مخفی اجسام آدم ع کے پتلے ہی میں موجود تھے۔ اللہ نے آدم ع کے وجود سے انکو نکالا تھا۔ اور عرفات کے میدان میں چیونٹیوں کی مانند انکو بکھرا کر کھڑا کر دیا تھا۔ یہ صحیح حدیث سے پتہ چلتا ہے۔

۱۴۔ پس ثابت ہوا کہ ہر نفس انسانی کی اصل روح + تراب ہے۔ جو کہ عہد الست کے وقت سے موجود چلی آرہی ہے۔ یہ جو ایک چھے فٹ کا اضافی طبعی حیوانی جسم ملتا ہے، یہ نفس کو صرف امتحان کی غرض سے عارضی طور سے دیا جاتا ہے تاکہ وہ ارادی واختیاری حرکت پر قادر ہو کر میت کی کیفیت سے نکل سکے۔ نیند کے وقت عارضی طور سے حیوانی جسم نفس سے لے لیا جاتا ہے اور پکی موت کے وقت حیوانی جسم مستقل طور سے لے لیا جاتا ہے۔

جناب اب آخری سوال پیدا ہوتا ہے کہ سواھاکے پراسس سے گزرا وہ تراب والا جسم جس نے ہمیں روح + تراب۔ نفس کی شکل دی۔ جس نفس نے چلتے ہوئے نظام ربوبیت کا مشاہدہ کر کے گواہی دی کہ قالوابلی شھدنا۔ وہ نفس اس وقت کہاں ہے؟

جس وقت ماں کی پیٹ میں حیوانی بچہ اس مرحلے تک نشوونما پا جاتا ہے کہ اس کی عجب الذنب بن جائے تو اسی روح + تراب کو اس بچے میں نفخ کر دیا جاتا ہے۔ یہ پراسس نفخ روح کا ہوتا ہے۔ اب قیامت تک کیلئے اس تراب والے جسم کو ایک ایسا محفوظ ٹھکانہ مل جاتا ہے جسے قیامت کا زلزلہ بھی تباہ نہیں کر سکے گا۔ یعنی قیامت تک محفوظ رہنے والی عجب الذنب۔

۔ میں نے یہ نہیں کہا کہ۔ روح عجب الذنب سے نہیں نکلتی۔ روح طبعی عالم کے اس جسد عنصری سے سو فیصد خارج ہو جاتی ہے۔ عجب الذنب بھی بالکل مردار و بے روح ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کے اندر فوق الطبعی عالم کا جسم حقیقی موجقود ہوتا ہے۔ ۔ اب روح صرف اسی جسم تک محدود و مقید ہو کر رہ جاتی ہے۔ مردار عجب الذنب کی مثال اور جسم حقیقی کی مثال ایک انڈے کی سی ہے۔ آپ دیکھئے کہ انڈے کے اوپر ایک مردار و بے روح حفاظتی خول ہوتا ہے۔ مردار و بے روح ہونے کے باوجود یہ خول بیرونی دنیا کے حوادث سے اندر کے اصل حیاتیاتی جوہر کو محفوظ رکھتا ہے۔ جب انڈے کو موافق حالات میسر آ

جاتے ہیں۔ تو اندر کی اصل حیات باقاعدہ زندگی کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اور اب مردار حفاظتی خول کا کام ختم ہو جاتا ہے۔ اصل حیات اس بے جان خول کو توڑ کر باہر آ جاتی ہے۔ کوئی بھی بیج ہو جیسے آم کی گٹھلی ہو۔ قدرت کا یہی قانون اپنا کام کرتا ہے۔ آم کی گٹھلی کا اوپر کا بے جان و مردار حفاظتی خول برسوں اندر کے اصل حیاتیاتی جوہر کی حفاظت کرتا رہتا ہے۔ جب زمین کے اندر موافق حالات، پانی بہم پہنچ جاتا ہے تو اندر کا اصل حیاتیاتی جوہر باہر کے بے جان و مردار خول کو توڑتا ہوا باہر آ جاتا ہے۔

میں جو یہ کہتا ہوں کہ انسان کا اصل جسم عجب الذنب کے اندر ہوتا ہے اور وفات کے بعد انسان کی پہلی زندگی کا تسلسل جاری رہتا ہے لیکن وہ میت جیسی لاچارگی میں مردار عجب الذنب کے اندر مقید و محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہ بات میں اپنے پیٹ سے گھڑ کر نہیں کہہ رہا بلکہ قرآن و قوی احادیث کی ہی فراہم کردہ معلومات کو ترتیب دے کر ایک منطقی نتیجے کے طور پر کہہ رہا ہوں۔

ا۔ خواہ جل جانے والا ہندو ہی کیوں نہ ہو اس کی عجب الذنب بھی محفوظ رہتی ہے کیونکہ وہ بھی اپنی زمینی قبر سے عجب الذنب پر ہی پیدا ہو گا۔ واذاالقبور بعثرت

۲۔ زمین سے یہ پیدائش بالکل آم کی گٹھلی اور دیگر بیجوں کے پیدا ہونے کی طرح ہی ہو گی۔ مینہ برسے گا۔ اور اندر کا اصل حیاتیاتی جوہر مردار عجب الذنب کے حفاظتی خول کو پھاڑتا ہوا باہر آئے گا۔

۳۔ جنازے پر وفات یافتہ شخص کے کلام سے بھی پتہ چلتا ہے کہ روح کسی جسم میں ابھی تک اٹکی ہوتی ہے۔ اور یہ بھی کہ وہ جسم کسی طور بھی جسد عنصری کا جسم نہیں ہو سکتا کیونکہ روح اس جسم سے مکمل طور سے خارج ہو چکی ہوتی ہے۔ جنازے پر طبعی مردار جسم کا ایک ہی حصہ ایسا ہوتا ہے جسے نہ صرف قیامت تک محفوظ رہنا ہے بلکہ اسی میں ہی ارواح پلٹیں گی تو انسان بیج سے نباتات کی شکل میں پیدا ہو گا۔

ساری بات کھل کر واضح ہو کر سامنے آ جاتی ہے۔ آپ غور کیجئے جنازے پر اگر وفات یافتہ وجود کلام کرتا ہے وہ سوائے روح + تراب کے اور کون سا وجود ہو سکتا ہے؟

جواب

آپ کا قول ہے کہ ہر شخص کی قبر عجب الذنب ہے- یہ قول نص چاہتا ہے جو موجود نہیں کہ روح کو واپس جسم میں ایک ہڈی میں قید کر دیا گیا ہے عجب الذنب کا باقی رہنا ایک مردہ ہڈی کی طرح ہے نفس کے ساتھ نہیں ہے۔

قرآن میں موجود ہے کہ حشر پر نفوس کو جسموں سے جوڑا جائے گا۔

عذاب قبر بقول آپ کے اسی کو ہو سکتا ہے جس کو قبر ملی ہو تو یہ بات آپ کا اپنا مفروضہ ہے- اوپر حدیث موجود ہے کہ وہ صحابی جس نے جنگ میں چادر چوری کی اس پر وہی چادر آگ بن کر عذاب بن گئی۔ اسی طرح نماز میں جہنم قریب لائی گئی اس کی تپش سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کسوف میں پیچھے ہوئے اور پھر بتایا کہ اس میں مشرک عمرو کو دیکھا وہ اپنی آنتیں گھسیٹ رہا تھا- یہ سب تمثیلی نہیں حقیقی تھا ورنہ اس کی تپش کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم ذکر نہ کرتے نہ نماز میں بطور امام اپنا مقام چھوڑ کر پیچھے آتے۔

جناب اس پر نص موجود ہے کہ قبر صرف زمین کے مقام کو ہی نہیں کہا جاتا- نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ پر گزرے اور میت پر دفن ہونے سے پہلے ہی عذاب قبر ہو رہا تھا- صحیح مسلم کی روایت ہے

حدثنا حماد بن زيد، عن هشام بن عروة، عن أبيه، قال ذكر عند عائشة قول ابن عمر الميت يعذب ببكاء أهله عليه، فقالت رحم الله أبا عبد الرحمن، سمع شيئا فلم يحفظه، إنما مرت على رسول الله صلى الله عليه وسلم «جنازة يهودي، وهم يبكون عليه، فقال «أنتم تبكون، وإنه ليعذب

حماد بن زید کہتے ہیں ہم سے ہشام بن عروۃ نے بیان کیا ان سے انکے باپ نے کہا عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے سامنے ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی بات کا ذکر ہوا کہ میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے، پس اس پر آپ رضی اللہ تعالی عنہا نے فرمایا اللہ رحم کرے ابو عبد الرحمان پر انہوں نے سنا لیکن یاد نہ رکھ سکے. بے شک اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہودی کے جنازہ پر گزرے جس پر اس کے گھر والے رو رہے تھے اپ نے فرمایا یہ اس پر روتے ہیں اور اس کو عذاب دیا جا رہا ہے-

سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں موجود ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عذاب برزخ دکھایا گیا اور اس میں لکھا ہے ایسا ان کے ساتھ قیامت تک ہو گا- یہ نص صریح ہے کہ یہ حقیقی عذاب تھا- عذاب قبر اگر عجب الذنب میں ہے تو یہ بھی -عذاب قبر نہیں کیونکہ روح کو ہڈی میں رکھا گیا ہے اور ہڈی عذاب محسوس نہیں کرتی- جلود یا کھال عذاب محسوس کرتا ہے

قرآن میں ہے کہ جب ان کی کھال جلے گی تو دوسری بنے گی

آپ نے کہا کہ ہم نے

روح کو آزاد کر کے بالکل زیرو میٹر جسم میں ڈال دیا

تو جناب یہی قرآن میں بھی آیا ہے کہ جب کھال جہنم میں جل جائے گی تو نئی کھال بنے گی- اس کو آپ زیرو میٹر کھال بولیں یا نئی بولیں یہ وہ کھال نہیں ہے جس نے گناہ کیے

كلما **نضجت جلودهم** بدلناهم جلودا غير ها ليذوقوا العذاب

جب ان کی کھالیں جلیں گی تو ہم ان کو دوسری کھالوں سے بدلیں گے کہ عذاب کا مزہ لیں

اسی طرح حدیث میں ہے کہ کافر کی کھال تین دن کی مسافت جتنی موٹی ہو گی- ظاہر ہے ہمارا جسم جو خلیوں کا مرکب ہے وہ الگ ہے اور جو حشر پر جو جسم ملے گا اس میں خلیہ زیادہ ہوں گے- عالم بالا میں اس وقت انبیاء موجود ہیں اور اپنے جسموں کے ساتھ ہیں جن کے حلیہ الگ الگ ہیں- روح تو آپ بھی کہتے ہیں نفخ یا پھونک ہے تو حدیث معراج میں انبیاء کی شکل و صورت کا ذکر ہے یعنی وہ روح و نفخ نہیں تھے اجسام میں تھے - یہاں تک کہ زندہ عیسیٰ ابن مریم علیھما السلام بھی وہیں تھے -

اس دورانیہ کو موت کا دورانیہ جسد عنصری کی نسبت سے کہا جاتا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ شہید یا انبیاء اللہ کے پاس جنت میں بھی مردہ ہیں- اسی طرح ال فرعون پر عذاب دوزخ میں ہو رہا ہے یہ کوئی تمثیلی خبر نہیں ہے- مودودی نے تشریح کی

یہ آیت اس عذاب برزخ کا صریح ثبوت ہے جس کا ذکر بکثرت احادیث میں عذاب قبر کے عنوان سے آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہاں صاف الفاظ میں عذاب کے دو مرحلوں کا ذکر فرما رہا ہے، ایک کم تر درجے کا عذاب جو قیامت کے آنے سے پہلے فرعون

اور آل فرعون کو اب دیا جا رہا ہے، اور وہ یہ ہے کہ انہیں صبح و شام دوزخ کی آگ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے جسے دیکھ کر وہ ہر وقت ہول کھاتے رہتے ہیں کہ یہ ہے وہ دوزخ جس میں آخر کار ہمیں جانا ہے

http//www.tafheemulquran.net/1_Tafheem/Suraes/040/63.html

یہ معاملہ صرف گناہ گار کا نہیں ہے نیکوکار کا بھی ہے۔ دونوں کو موت آئی۔ دونوں کو ایک نیا جسم ملا جو جسد عنصری سے الگ ہے مثلا بخاری کی حدیث ہے ابراہیم پسر نبی کے لئے دودھ پلانے والی جنت میں ہے۔ ابراہیم کا جسم تو مدینہ میں ہو گا لیکن دودھ جنت میں پی رہے تھے۔ پھر حشر ہوا اور ابراہیم کی روح ان کے جسد عنصری میں ڈالی گئی جو اب ایک مرد کی صورت تھا جبکہ ان کی وفات دودھ پیتے بچے کی حالت میں ہوئی

سب لوگ حشر کے وقت غیر مختون پیدا ہوں گے

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" تمہیں (قیامت کے دن) اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ تم ننگے پاؤں ننگے بدن اور بے ختنہ ہوگے "اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بطور دلیل واستشہاد) یہ آیت پڑھی (كَمَا بَدَاْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُه وَعْدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ) 21۔الانبیاء 104) یعنی جس طرح ہم نے ان کو ابتداء پیدائش میں (ننگے پاؤں، ننگے بدن اور بے ختنہ ماں کے پیٹ سے) پیدا کیا تھا اسی طرح ان کو دوبارہ (قیامت کے دن پیدا کریں گے یعنی قبروں سے اٹھائیں گے

http//www.hadithurdu.com/09/9-5-108/

بہت سے زانی ایسے ہیں جو اس عضو سے زنا کرتے ہیں جو مختون ہوتا ہے لیکن حشر پر سب غیر مختون پیدا ہوں گے۔ اسی طرح یہ اجسام الگ الگ ہو جاتے ہیں اس میں اشکال ان مثالوں سے حل ہو جاتا ہے

یہ تمام اجسام اپنے حجم میں الگ ہیں۔ دنیا میں ابھی جسد عنصری کا قد چھ فٹ ہو سکتا ہے۔ حشر پر جسم عنصر بڑا ہے اور عضو غیر مختون ہے اور کفر کی صورت میں کھال موٹی ہے اور احد پہاڑ جتنی ہے۔ برزخ میں جسم برزخی بن رہا ہے ٹوٹ رہا ہے جڑ

رہا ہے یہ جسم دنیا کے عناصر کا نہیں ہے لہٰذا اس کی سمجھ ہم کو نہیں ہے۔ ان سب کا ذکر مختلف احادیث میں ہے ان سب اجسام کو قبول کرنا ہو گا

اب سوال ہے کہ. برزخ کی زندگی کیا زندگی نہیں ہے؟ قرآن میں اس کو موت کا دورانیہ جسد عنصری کی نسبت سے کہا گیا ہے

. برزخی جسم عناصر پر مبنی نہیں ہے وہ اس عالم ارضی کا ہے ہی نہیں نہ اس کے ایٹم و مالیکیول اس عالم ارضی کے ہیں

آپ کو دلیل دے دی گئی ہے کہ وہ جسم جس کو عذاب ہو گا حشر پر ہو گا وہ غیر مختون ہے جبکہ ہو سکتا ہے جب زنا کیا ہو اس وقت مختون ہو

کیا دنیا میں کوئی ہے جس کا دانت احد پہاڑ جتنتا ہو؟ ظاہر ہے دنیا میں یہ وجود کسی کا نہیں۔ یہ جسم وہ نہیں ہے کس نے گناہ کیے لیکن یہ روح وہی ہے جس نے گناہ کیے۔ برزخی جسم کی خبر جو آپ کے بقول تمثیلی ہے اس کو اب آپ حقیقی مان کر اعتراض کر رہے ہیں جبکہ ہم اس کو حقیقی سمجھتے ہیں اور اس کا فوراً جڑنا ظاہر کرتا ہے کہ یہ اس دنیا کا نہیں ہے

دوم زانی جس اگ میں تھے وہ دنیا کے عناصر کی نہیں تھی وہ عالم بالا کی. برزخ کی اگ تھی

آپ کو معلوم ہے کہ آدم کی تخلیق عالم ارضی کی مٹی سے کی گئی جبکہ بخاری میں موجود ہے کہ جنت میں بھی مٹی ہے۔ جنت کی مٹی نہیں لی گئی اس کا مطلب ہے جسد عنصری کا عنصر الگ ہے اور جو جسم عالم بالا میں. برزخ میں ہے وہ الگ ہے۔ اس کے نقوش تک ہیں مثلا معراج پر انبیاء سے جنتوں میں ملاقات ہوئی یہ کوئی تمثیلی چیز نہیں

آپ کو التباس ذہنی ہے کہ عہد الست انسان سے کسی مٹی کے جسم میں ہوا۔ آپ نے ذکر کیا کہ عہد الست پر روایت ہے کہ یہ میدان عرفات میں نعمان میں ہوا۔ انسان کو میدان عرفات میں مٹی کا جسم دیا گیا؟

وہ روایت جس میں میدان عرفات کا ذکر ہے وہ بے کار روایت ہے

حدثنا حسين بن محمد حدثنا جَرير، يعني ابن حازم، عن كلثوم بن جَبْر عن سعيد بن جُبير عن ابن عباس عن النبي - — ٢٤٥٥ صلي الله عليه وسلم- قال: "أخذ الله الميثاقَ من ظهرآدم بنَعْمَان، يعني عرفة، فأخرج من صلبه كل ذرية ذَرَأها، فنثرهم بين يديه

كالذَّرّ، ثم كلمهم قبلاً {أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ (١٧٢) أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِنْ بَعْدِهِمْ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ (١٧٣)}.

ترجمہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے میثاق لیا نعمان نامی جگہ پر یعنی میدان عرفات میں تو آدم علیہ السلام کی پشت سے انکی تمام نسل کو نکالا اور آدم علیہ السلام کے آگے چیونٹیوں کی مانند پھیلا دیا پھر ان سے کلام کیا الست بربکم قالوا

یہ روایت مضطرب ہے کیونکہ نعمان اور عرفات دو الگ مقام ہیں۔ سندا بھی ضعیف ہے اس میں کلثوم بن جبر ہے اور نسائی نے اس کو غیر قوی کہا ہے اور اس کی خاص اس روایت کو غیر محفوظ کہا گیا ہے

سند صحیح نہیں ہے پھر نعمان عرفات کی وادی بھی نہیں ہے یہ طائف کی وادی ہے

عرفات ایک میدان ہے مکہ کے جنوب مشرق میں اور وادی نعمان هو أحد أكبر أودية المملكة العربية السعودية، يقع في الجهة الشمالية الشرقية لمكة المكرمة وادی نعمان مکہ کے شمال مشرق میں ہے

بقول آپ کے یوں سمجھو....

آپ ان الفاظ کو حدیث میں بیان کیجئے کہاں کہے گئے ہیں؟ اس حدیث میں صریح لکھا ہے یہ سب جو بیان ہوا ایسا قیامت تک ہو گا یوں سمجھو والا معاملہ نہیں ہے ورنہ وہاں حدیث میں اصحاب رسول پر واضح کیا جاتا۔ راوی مسروق واضح کرتا ہے کہ یہ مثال ہے حقیقت نہیں ہے۔ انبیاء کے خواب کو اپنی طرف سے تمثیلی قرار نہیں دیا جاتا۔ خواب جو تمثیل ہو اسی میں اس کی تاویل موجود ہوتی ہے۔ انبیاء کے خواب ہر صورت حقیقت لئے جاتے ہیں الا یہ کہ نبی خود واضح کرے کہ یہ تمثیلی تھا۔

فلسفی نے جوابا کہا

محترم.. میں تو سورت الکہف کی آیت جو ایک عام شخص کے بارے میں کہتی ہے.. خلقک من تراب ثم من نطفۃ.. تجھے تراب سے تخلیق کیا پھر نطفہ سے.. یہ ایک عام شخص ہے.. یہ آدم ع نہیں ہے.. جب اس کو قرآن نے صاف کہہ دیا

..خلقك من تراب ثم من نطفة

..تجھے تراب سے تخلیق کیا پھر نطفہ سے.. تو مجھے اب کسی روایت کی ضرورت ہی نہیں ہے

قرآن میں آیت ہے

و اذ اخذ ربک من بنی آدم من ظھورھم و اشھدھم علی انفسھم : سورت الاعراف --

اور اے نبی ص لوگوں کو یاد دلاؤ وہ وقت جب کہ تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے انکی نسل کو نکالا تھا اور انہیں خود انکے اوپر گواہ بنا کر پوچھا تھا: سورت الاعراف

اس کو نہ تو ارواح نسل قرار دی جا سکتی ہیں اور نہ نفوس کو بغیر جسم کے صرف روحیں قرار دیا جا سکتا ہے-- نسل اور نفس دونوں کیلیئے جسم لازمی ہے-- جسم کے بغیر نسل یا نفس کا ہونا ممکن نہیں--

عہد الست کے وقت آدم ع تو باقاعدہ طبعی جسم کے ساتھ موجود ہوں-- اور انکی نسل جو کہ نفوس کی حالت میں ہو-- وہ وعالم امر کی صرف ارواح کی صورت میں ہو-- اس چیز کی کوئی منطق نہیں بنتی-- انسان سے عہد لیا ہی عالم خلق میں بشری اور خلقی حیثیت سے صرف اللہ کی ربوبیت کو مانتے ہوئے زندگی گزارنے کا لیا جائے اور بنی آدم کے طور پر کھڑے سارے انسان کوئی خلقی و طبعی وجود ہی نہ رکھتے ہوں-- یہ چیز خلاف عقل و انصاف ہے--

ونفس وماسواھا۔۔ فالھمھا فجورھا و تقواھا: سورت الشّمس ۔۔ اور نفس کی ساخت کو درست کیا اور اس میں نیکی اور بدی کی تمیز الہام کی۔۔ پس ثابت ہوا کہ نفس جسم اور روح کے مجموعے کا نام ہے۔۔ کیونکہ ساخت جسم کی درست کی جاتی ہے۔۔ پھر اس میں روح پھونکنے سے وجود زندگی کی شکل اختیار کرتا ہے۔۔

محترم کیا اسے آپ قرآن کی دلیل مانتے ہیں؟ یا میرے ذہن کی اختراع؟

جواب

اس آیت کی تفسیر پر مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ آدم علیہ السلام کے بارے میں ہے نہ کہ یہ کہ ہر انسان کو مٹی کا جسم دیا گیا

اس پر تو لا تعداد حوالے ہیں مثلا إيسر التفاسير لكلام العلى الكبير از جابر بن موسى بن عبد القادر بن جابر ابو بكر الجزائرى میں ہے

.أكفرت بالذي خلقك من تراب؟ ! : الاستفهام للتوبيخ والخلق من تراب باعتبار الأصل هو آدم

أكفرت بالذي خلقك من تراب} ؟ وهو الله عز وجل حيث خلق أباك آدم

البحر المديد فى تفسير القرآن المجيد

المؤلف: إبو العباس إحمد بن محمد بن المهدى بن عجيبة الحسنى الأنجرى الفاسى (المتوفى: 1224ھ-)

قالَ لَهُ صاحِبُهُ أخوه المسلم وَهُوَ يُحاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ أي: أصلك مِنْ تُرابٍ، فإن خلق آدم عليه السلام من تراب متضمن لخلق أولاده منه

التفسير الوسيط للقرآن الكريم

المؤلف: مجموعة من العلماء بإشراف مجمع البحوث الإسلامية بالأزهر

الناشر: الهيئة العامة لشئون المطابع الأميرية

فقال له: {أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ}: أي كيف تكفر بالذي خلقك من تراب في ضمن خلق أصلك آدم عليه السلام، لما أن خلق كل فرد من أَفراد البشر له حظ من خلق أَصله،

تفسير يحيىٰ بن سلام

المؤلف: يحيىٰ بن سلام بن إبي ثعلبة، التيمى بالولاء، من تيم ربيعة، البصرى ثم الإفريقى القيروانى (المتوفى: 200هـ)

وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ { [الكهف: 37] يَعْنِي أَوَّلَ خَلْقِ الإِنْسَانِ، يَعْنِي آدَمَ.

تفسير الجلالين

المؤلف: جلال الدين محمد بن إحمد المحلى (المتوفى: 864هـ) وجلال الدين عبد الرحمٰن بن إبى بكر السيوطى (المتوفى: 911هـ)

قَالَ لَهُ صَاحِبه وَهُوَ يُحَاوِرهُ} يُجَاوِبهُ {أَكَفَرْت بِالَّذِي خَلَقَك مِنْ تُرَاب} لِأَنَّ آدَم خُلِقَ مِنْهُ

تفسير ابن كثير

{أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ من تراب}، وَهَذَا إِنْكَارٌ وَتَعْظِيمٌ لِمَا وَقَعَ فِيهِ مِنْ جُحُودِ رَبِّهِ الَّذِي خَلَقَهُ، وَابْتَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مَنْ طِينٍ وَهُوَ آدَمُ، ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِن سُلاَلَةٍ مِّن مَاءٍ مَهِينٍ،

تفسير مقاتل بن سليمان

المؤلف: إبوالحسن مقاتل بن سليمان بن بشير الأزدى البلخى (المتوفى: 150هـ)

قالَ لَهُ صاحِبُهُ المؤمن وَهُوَ يُحاوِرُهُ يعني يراجعه أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تُرابٍ يعني آدم- عليه السلام

فتح القدير

المؤلف: محمد بن على بن محمد بن عبد الله الشوكانى اليمنى (المتوفى: 1250هـ)

أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تُرابٍ بِقَوْلِكَ: مَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قائِمَةً وَقَالَ: خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ أَيْ: جَعَلَ أَصْلَ خَلْقِكَ مِنْ تُرَابٍ حَيْثُ خَلَقَ أَبَاكَ آدَمَ مِنْهُ، وَهُوَ أَصْلُكَ،

تفسیر طبری

(أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ) يعني خلق أباك آدم من تراب

ان سب تفاسیر میں اس آیت کو آدم علیہ السلام پر خاص کیا گیا ہے کہ صرف ان کو مٹی سے خلق کیا گیا اس کے بعد ان کی نسل کی وجہ سے تمام إنسانیت کو ہم کو مٹی سے نسبت دی گئ ہے۔ روح کا کلام کرنا خلاف عقل کیوں ہے؟ کیا اللہ کے حکم سے کسی چیز کا بولنا اسی وقت ممکن ہے جب وہ جسم ہو؟ عالم بالا میں تو اس قسم کی کوئی قید نہیں ہے۔ کوئی ایک مفسر دکھا دیں جو ان آیات کو عام کر رہا ہو کہ سب انسانوں کو مٹی سے جسم بنایا گیا اس سے عہد الست لیا گیا — اس کا تو کوئی قائل ہی نہیں۔ آپ اس مٹی کے جسم کو جو عہد الست میں ملا اس کو واپس عجب الذنب میں بھی لاتے جائیں۔ اس کی بھی کوئی دلیل نہیں ہے

آیت و نفس وما سواها کا ترجمہ ہے قسم ہے نفس کی اور اس کی جس کو متناسب کیا۔ یہاں متناسب میں جسم کا لفظ محذوف ہے لیکن اس سے مراد روح کو تناسب دینا نہیں ہے کیونکہ روح کو نفخ کیا جاتا ہے یعنی پھونکا جاتا ہے

قرآن میں آیت ہے

و اذ اخذ ربک من بنی آدم من ظهورهم و اشهدهم على انفسهم : سورت الاعراف --

اور جب تمھارے رب نے بنی آدم سے ان کی پیٹھوں میں (عہد) لیا اور ان کو ان پر گواہ کیا

حق ہے عہد الست ہوا — کس طرح ہوا خبر نہیں دی گئ۔ لیکن کیا آدم کے نطفے کے جرثومے جو تمام انسانیت کے لئے تھے ان سے عہد الست نہیں ہو سکتا؟ بالکل ہو سکتا ہے — ان جرثوموں میں تمام انسانیت کا ڈی این اے موجود تھا اور اس کا حق کی گواہی دینا ناممکن نہیں ہے۔

فلسفی نے جوابا کہا

جناب محترم آپ کا پہلا سوال

آپ کا قول ہے کہ ہر شخص کی قبر عجب الذنب ہے۔ یہ قول نص چاہتا ہے جو موجود نہیں کہ روح کو واپس جسم میں ایک ہڈی میں قید کر دیا گیا ہے عجب الذنب کا باقی رہنا ایک مردہ ہڈی کی طرح ہے نفس کے ساتھ نہیں ہے۔

میرا جواب

میں جو یہ کہتا ہوں کہ انسان کا اصل جسم عجب الذنب کے اندر ہوتا ہے اور وفات کے بعد انسان کی پہلی زندگی کا تسلسل جاری رہتا ہے لیکن وہ میت جیسی لاچارگی میں مردار عجب الذنب کے اندر مقید و محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہ بات میں اپنے پیٹ سے گھڑ کر نہیں کہہ رہا بلکہ قرآن و قوی احادیث کی ہی فراہم کردہ معلومات کو ترتیب دے کر ایک منطقی نتیجے کے طور پر کہہ رہا ہوں۔

ا۔ خواہ جل جانے والا ہندو ہی کیوں نہ ہو اس کی عجب الذنب بھی محفوظ رہتی ہے کیونکہ وہ بھی اپنی زمینی قبر سے عجب الذنب پر ہی پیدا ہو گا۔ واذا القبور بعثرت

۲۔ زمین سے یہ پیدائش بالکل آم کی گٹھلی اور دیگر بیجوں کے پیدا ہونے کی طرح ہی ہو گی۔ مینہ برسے گا۔ اور اندر کا اصل حیاتیاتی جوہر مردار عجب الذنب کے حفاظتی خول کو پھاڑتا ہوا باہر آئے گا۔

۳۔ جنازے پر وفات یافتہ شخص کے کلام سے بھی پتہ چلتا ہے کہ روح کسی جسم میں ابھی تک اٹکی ہوتی ہے۔ اور یہ بھی کہ وہ جسم کسی طور بھی جسد عنصری کا جسم نہیں ہو سکتا کیونکہ روح اس جسم سے مکمل طور سے خارج ہو چکی ہوتی ہے۔ جنازے پر طبعی مردار جسم کا ایک ہی حصہ ایسا ہوتا ہے جسے نہ صرف قیامت تک محفوظ رہنا ہے بلکہ اسی میں ہی ارواح پلٹیں گی تو انسان بیج سے نباتات کی شکل میں پیدا ہو گا۔

ساری بات کھل کر واضح ہو کر سامنے آ جاتی ہے۔ آپ غور کیجئے جنازے پر اگر وفات یافتہ وجود کلام کرتا ہے وہ سوائے روح+تراب کے اور کون سا وجود ہو سکتا ہے؟

میں نے یہ نہیں کہا کہ۔ روح عجب الذنب سے نہیں نکلتی۔ روح طبعی عالم کے اس جسد عنصری سے سو فیصد خارج ہو جاتی ہے۔ عجب الذنب بھی بالکل مردار و بے روح ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کے اندر فوق الطبعی عالم کا جسم حقیقی موجود ہوتا ہے۔ ۔اب روح صرف اسی جسم تک محدود و مقید ہو کر رہ جاتی ہے۔ مردار عجب الذنب کی مثال اور جسم حقیقی کی مثال ایک انڈے کی سی ہے۔ آپ دیکھئے کہ انڈے کے اوپر ایک مردار و بے روح حفاظتی خول ہوتا ہے۔ مردار و بے روح ہونے کے باوجود یہ خول بیرونی دنیا کے حوادث سے اندر کے اصل حیاتیاتی جوہر کو محفوظ رکھتا ہے۔ جب انڈے کو موافق حالات میسر آ جاتے ہیں۔ تو اندر کی اصل حیات باقاعدہ زندگی کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اور اب مردار حفاظتی خول کا کام ختم ہو جاتا ہے۔ اصل حیات اس بے جان خول کو توڑ کر باہر آ جاتی ہے۔ کوئی بھی بیج ہو جیسے آم کی گٹھلی ہو۔ قدرت کا یہی قانون اپنا کام کرتا ہے۔ آم کی گٹھلی کا اوپر کا بے جان و مردار حفاظتی خول برسوں اندر کے اصل حیاتیاتی جوہر کی حفاظت کرتا رہتا ہے۔ جب زمین کے اندر موافق حالات، پانی بہم پہنچ جاتا ہے تو اندر کا اصل حیاتیاتی جوہر باہر کے بے جان و مردار خول کو توڑتا ہوا باہر آ جاتا ہے ۔

قرآن جا بجا اسی حقیقت سے ہمیں مطلع کرتا ہے کہ۔ جس طرح مردہ زمین پر پانی پڑے تو نباتات نکل اتی ہیں۔ کذالک تخرجون۔ تم بھی اسی طرح خارج ہو گے۔

جواب

جناب قبر میت کا ٹھکانہ ہر گز نہیں ہے۔ قبر تو صرف چند یوم کی ہوتی ہے اس کے بعد اس جسم کو کیڑے اور جانور کھا جاتے ہیں اور ان کا فضلہ کہیں جاتا ہے کسی کا کہیں۔ قبر میں صرف ہڈیاں ہوتی ہے اور وہ بھی امداد زمانہ کے ساتھ معدوم ہو جاتی ہیں ۔اب صرف عجب الذنب رہ جاتی ہے۔ آپ کا گمان ہے کہ عجب الذنب میں کسی مٹی کے جسم میں روح کو رکھا جاتا ہے۔ اس پر کوئی نص موجود نہیں ہے۔ لہٰذا آپ کا تصور قابل قبول نہیں ہے

اللہ تعالی نے عذاب قبر کا حکم دیا ہے تو یہ حکم شروع سے چلا آ رہا ہے مثلا قوم نوح پر عذاب آیا تمام زمین کو پھاڑ کر نہروں اور چشموں میں بدل دیا گیا قبروں کو اکھاڑ دیا گیا اور سب ال ارض کو مار دیا گیا۔ اس وقت کیا کسی کو عذاب ارضی قبر نہیں ہوا کیونکہ یہ مرنے والے دفن نہیں کیے گئے۔ ان کی لاشیں زمین پر پانی میں کئی دنوں تیرتی رہیں، گلی سڑیں۔ لہٰذا عذاب کے لئے قبر ارضی ضروری نہیں۔ قوم نوح ڈوبی اور عذاب برزخ سے بھی دوچار ہوئی۔

پھر ایک طرف تو آپ کا تصور ہے کہ قبر عجب الذنب ہے دوسری طرف اس تصور کے بعد تدفین پر عذاب کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ روح تو جنازہ پر بھی بقول آپ کے عجب الذنب میں قیدی ہے۔ صحیح بخاری کے حوالہ دینا بالکل غیر ضروری ہے کیونکہ آپ کے مطابق یہ عذاب عذاب قبر نہیں عذاب عجب الذنب ہے جو جنازہ پر بھی ممکن ہے

جناب آپ کے بقول نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خواب دیکھا وہ ایک تمثیل کی صورت ان کو یاد رہ گیا۔ کس قدر جہل کی بات ہے انبیاء کا خواب تمثیلی ہو یا غیر تمثیلی ان کو یاد رہ گیا نہیں ہوتا۔ وہ الوحی ہوتا ہے جو پتھر پر لکیر ہوتا ہے یاد نہیں رہ جاتا اس کو ذہن میں بیٹھا دیا جاتا ہے۔ سمرہ بن جندب کی حدیث میں ہے کہ یہ سب حقیقی تھا کیونکہ اس روایت میں موجود ہے کہ ایسا قیامت تک ہو گا۔ ظاہر ہے عجب الذنب میں یہ سب نہیں ہے تو پھر ایسا قیامت تک کہاں ہو گا؟ اسی کو علماء نے عالم بالا میں البرزخ قرار دیا ہے جہاں روح کو رکھا جاتا ہے اور حدیث میں ہے کہ روح کو آسمان پر لے جاتے ہیں۔

یوسف علیہ السلام نے جو خواب دیکھا وہ اس وقت کا ہے جب وہ نبی نہیں تھے لہٰذا ان کے خواب کا ذکر کرنا خارج عن البحث ہے۔

آپ کس قدر متضاد باتیں ایک ہی سانس میں کرتے ہیں بقول آپ کے انسان کا ریکارڈ علیین و سجین میں ہے پھر آپ کہتے ہیں یہ ریکارڈ زمین میں جسم میں ہے۔ افسوس خیالات کو پریشان خیالات تو کہا جا سکتا ہے قرآن و حدیث کی تشریح ہرگز نہیں۔ ریکارڈ رکھنا اللہ کا کام ہے اس کو جسم میں نہیں رکھا جاتا نہ جسم یا میت علیین و سجین ہیں۔

حدیث پڑھیں مسند احمد میں ہے

(اور اتنی دیر کے لیے بیٹھے رہے کہ) قریب نہیں تھا کہ دوسرا سجدہ کریں گے، پھر سجدہ کیا اور قریب نہیں تھا کہ سجدہ سے سر اٹھائیں گے، پھر دوسری رکعت بھی پہلی رکعت کی طرح ادا کی، جب دوسری رکعت کا سجدہ کر رہے تھے تو زمین میں پھونکنا اور رونا شروع کر دیا اور یہ کہنا شروع کر دیا اے رب! تو ان کو عذاب کیوں دے رہا ہے، حالانکہ میں ان میں موجود ہوں، اے رب! تو ہمیں عذاب کیوں دیتا ہے، حالانکہ ہم تجھ سے بخشش طلب کر رہے ہیں پھر اپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا سر اٹھایا اور سورج صاف ہو چکا تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز مکمل کرنے کے بعد اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا اے لوگو! بے شک سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، پس جب تم ان میں سے کسی کو بے نور ہوتا دیکھو تو ڈر کر مساجد کی طرف پناہ لو اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تحقیق میرے اوپر جنت پیش کی گئ (اور اتنی قریب کی گئ کہ) اگر میں چاہتا تو اس کی ٹہنی کو پکڑ لیتا اور مجھ پر آگ کو بھی پیش کیا گیا (اور اتنا قریب کیا گیا کہ) اس ڈر سے میں اس کو بجھا رہا تھا کہ وہ کہیں تم کو اپنی لپیٹ میں نہ لے لے میں نے اس میں حمیر قبیلے کی ایک سیاہ رنگ کی طویل عورت دیکھی، اس کو ایک بلی کی وجہ سے عذاب دیا جا رہا تھا، اس نے اس کو باندھ دیا تھا، نہ اس کو خود کھلاتی پلاتی تھی اور نہ اس کو چھوڑتی تھی کہ وہ زمین کے حشرات وغیرہ کھا سکے، (عذاب کی کیفیت یہ تھی کہ) وہ جب آگے کی طرف آتی تو وہ بلی اس کو (سامنے سے) نوچتی اور جب وہ واپس جاتی تو وہ اس کو (پیچھے سے) نوچتی، میں نے آگ میں بنو دعدع کے ایک فرد کو بھی دیکھا اور اس میں لاٹھی والے کو بھی دیکھا، وہ آگ میں اپنی لاٹھی پر ٹیک لگائے ہوئے تھا، (اس کا جرم یہ تھا کہ) وہ اپنی لاٹھی کے ساتھ حاجیوں کی چوری کیا کرتا تھا، پس جب لوگوں کو اس کا پتہ لگ جاتا تو وہ کہتا میں چوری تو نہیں کر رہا، ویسے یہ چیز لاٹھی کے ساتھ لٹک گئی ہے۔

یہ عذاب قبر کے مناظر ہیں اس میں بلی موجود ہے اور ایسا جسم موجود ہے جو لاٹھی سے ٹیک لگائے کھڑا ہے۔

اس کو حقیقی قرار دیا گیا ہے کسی بھی حدیث میں اس کو تمثیلی قرار نہیں دیا گیا ہے۔

آپ کی پریشان خیالی کی سیریز میں مزید آپ نے کہا عہد الست کا ذکر کیا۔

جناب عہد الست جب ہوا تو عجب الذنب موجود نہیں تھیں۔ عجب الذنب تو ہڈی ہے جو پیدائش پر بنی۔ اس پر بھی نص موجود نہیں کہ عہد الست کے وقت عجب الذنب موجود تھی۔ جب انسان مرا تو اس کی روح نے اس کا جسم مکمل چھوڑ دیا

کیونکہ یہی اخرجوا انفسکم کا مطلب ہے۔ پھر حدیث میں ہے کہ اس روح کو آسمان پر لے جاتے ہیں اور وہاں اس کو اس کے مقام میں رکھتے ہیں۔ یہی مقام اب عذاب و راحت کا ہے۔

آپ کو شاید معلوم نہیں کہ سات سال میں انسان کے تمام خلیہ بدل جاتے ہیں جس جسم نے بچپن میں گناہ کیے وہ جسم کے خلیہ ستر اسی سال کی عمر تک وہ نہیں رہتے جو پہلے تھے۔ آپ کا تصور ہے عذاب اسی چیز کو ہو جس نے گناہ کیے تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ جسم تو محض الہ ہے۔ اللہ تعالی جہنمیوں کی کھال کو نئی کھال سے بدلے گا کہ نہیں؟ حدیث میں ہے کہ کافر کی کھال تین دن کی مسافت جتنی موٹی ہو گی۔ تو یہ کھال تو وہ نہیں ہے جس نے گناہ کیے۔

کافر کی داڑھ یا کہا کہ اس کا دانت اُحد پہاڑ جتنا ہو گا اور اس کی کھال کی موٹائی 3 دن کی مسافت ہو گی۔

صحیح مسلم، کتاب الجنتہ، باب النار یدخلھا الجبارون، الحدیث ۷۱۸۵، ص ۱۱۷۳۔

قرآن میں وارد اخرجوا انفسکم کی آپ نے جو نقشہ بندی کی ہے وہ تحریف کی بدترین امثال میں سے ہے۔ اخرجوا انفسکم کا مطلب ہے اپنا نفس یا روح نکالو یعنی اس روح کو جسم سے الگ کیا جا رہا ہے یہ قرآن میں موجود ہے یہ موت کا مرحلہ ہے۔ جبکہ آپ کا تصور ان الفاظ کے رد پر قائم ہے کہ یہ اخراج نفس یا روح ہوا ہی نہیں بلکہ قید فی الجسم ہو گیا عجب الذنب کی ڈبیا میں روح کو بند کر دیا گیا۔

آپ نے کہا

جنازے پر وفات یافتہ شخص کے کلام سے بھی پتہ چلتا ہے کہ روح کسی جسم میں ابھی تک اٹکی ہوتی ہے

یہ صریح معنوی تحریف ہے

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنفُسَكُمُ

اِس ایۃ میں موجود ہے کہ فرشتے یہ موت کے وقت کہتے ہیں کہ روح نکالو تو ظاہر ہے موت پر روح جسم سے مکمل نکال لی جاتی ہے۔ آپ فرما رہے ہیں کہ میت کا جنازہ پر بولنا ظاہر کر رہا ہے روح نکلی نہیں ! ! آپ کم از کم آیات قرانی تو دیکھ لیا کریں۔

بچپن میں جو آپ کے دماغ میں ڈال دیا گیا تھا جب آپ نے قرآن نہیں پڑھا تھا اسی کو آپ بیان کر رہے ہیں کہ فرشتے میت کو جنازہ پر اخرجوا انفسکم کہتے ہیں۔

آپ کی احمقانہ اور خود ساختہ دینی فزکس کا تذکرہ بار بار آتا ہے۔ پہلے بھی آپ کو سمجھایا تھا کہ عالم امر اور عالم طبعی الگ الگ نہیں ہیں۔ اسی عالم طبعی میں ہر وقت اللہ کا امر نازل ہوتا ہے اور وقت اور فاصلوں کی قید ہم انسانوں کے لئے ہے اللہ اور اس کے فرشتوں کے لئے نہیں ہے۔ معراج کے موقعہ پر انبیاء سے ملاقات سات آسمان اوپر حقیقت میں ہوئی نہ کہ تمثیلی طور سے۔ انبیاء کی ارواح ہوں ان کا معلوم ہے جنت میں ہے ہیں اور شہید کی خبر بھی صحیح مسلم میں موجود ہے کہ سبز پرندوں میں ہے۔ قرآن میں جو آیا ہے کہ شہید کو مردہ مت کہو تم کو شہید کی زندگی کا شعور نہیں یہ قول قرآن میں منافق سے کہا جا رہا ہے جو کہتا تھا کہ جنت و جہنم نہیں ہیں اور جو جنگ میں مرے افسوس ساتھ رہتے تو بچ گئے ہوتے۔ دوسری طرف اسی زندگی کا شعور ہم کو بزبان نبوت مل گیا ہے کہ وہ اللہ کے پاس ہیں جنت میں ہیں عرش کے نیچے ہیں سبز پرندوں میں ہیں

آپ یا کوئی سائنس دان اب طے کرے گا کہ زندگی موت پر ختم ہوئی یا نہیں؟ یہ دائرۂ کار صرف اللہ کا ہے اور اس نے خبر دے دی ہے کہ موت پر انسان مر جاتا ہے زندہ نہیں رہتا دیکھیں

وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ۚ

-اور زندہ اور مردہ برابر نہیں ہیں

اب آپ نے عجب الذنب کو بھی ایک وائرس قرار دے دیا ہے۔ سائنس کی تحقیقات سے روح کو نہیں سمجھا جاتا۔ سائنس روح کے وجود کا انکار کرتی ہے۔ اور یہاں اس کا ذکر کرنے کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہے

آپ نے جس شخص اسٹیفین ہاکنگ کا ذکر کیا کہ اس سے خرم مراد کی ملاقات ہوئی اس کے بارے میں خود انگریز کہتے ہیں کہ یہ کوئی دماغی مریض ہے جس کو فری میسن نے ایک ایجنڈا کے تحت رکھا ہوا ہے۔ اسٹیفین ہاکنگ فری میسن کا ایک فراڈ کہا جاتا ہے۔ اس کو یہاں لا کر، اس میں اپنی دینی فزکس ملا کر، روح کو وائرس قرار دے کر افسوس آپ قرآن و احادیث سے بہت دور اپنی ہی کسی خود ساختہ کائنات میں زندہ ہیں جس میں تمام احادیث تمثیلین ہیں، کچھ حقیقیت نہیں ہے جبکہ ہمارے نزدیک حقیقت قرآن میں بیان ہوئی ہے۔ افسوس اپ کی پریشان خیالی لاعلاج نکل رہی ہے بلکہ مرض کا اثر اس قدر ہے کہ

دماغ پر اثر کر رہا ہے-اس عالم آپ پر جو کشف ہو رہے ہیں ان کو آپ حقیقت سمجھ رہے ہیں، فرما رہے ہیں روح طبعی عالم کے اس جسد عنصری سے ۱۰۰ فی صد خارج ہو جاتی ہے۔ پھر آپ فرماتے ہیں جسد عنصری میں فوق طبعی عالم کا جسم آ موجود ہوتا ہے

یہ سب شطحات ہیں جن کی حیثیت ہمارے نزدیک صوفیوں کے کشف سے کم نہیں ہے-یہ سب شیطانی القا ہے جو آپ پر ہوا ہے؟ کس نے خبر دی کہ فوق طبعی عالم کا کوئی جسم روح کی جگہ جسم میں آتا ہے؟ اس کا ذکر نہ کسی آیت میں ہے نہ حدیث میں ہے

حدیث میں ہے حشر پر آسمان سے بارش ہو گی انسانی جسم درخت کی طرح نکلے گا لیکن یہ جسم بے روح ہو گا اس میں روح جسم سے جوڑی جائے گی- جو کعب بن مالک کی حدیث کے مطابق حشر تک جنت میں پرندہ کی طرح درخت پر رہے گی- جس چیز کو ہم حقیقت سمجھتے ہیں آپ کے نزدیک وہ تمثیل ہے جبکہ اس کی متعدد خبریں و نصوص قرانی ہیں—دوسری طرف کلام میت جنازہ پر خبر واحد ہے اور اس کی تاویل کی گئی ہے خطیب تبریزی کی جانب سے، مبارک پوری کی جانب سے-- جنازہ پر کلام میت والی روایت کو سلف کے علماء تمثیل کہہ چکے ہیں-

جناب اللہ تعالی نے جب قبر سب کو دی تو اس کو اپنا عمل کہا ہے انسانوں کا نہیں آیت میں ہے

ثم اماتہ فاقبرہ—پھر اس کو موت دی، پھر قبر دی

آیت میں ہے کہ موت دینا اللہ کا عمل ہے اور قبر دینا بھی اللہ تعالی کا ہی عمل ہے-اس کا مطلب انسانوں سے قتل کرایا اور ان سے دفن کرایا نہیں ہے- ظاہر ہے یہ قبر عالم بالا میں روح کا مقام ہے نہ کہ کوئی زمین کا مقام- اس مفہوم کو شیخ علوان نے الفواتح الإلهية والمفاتح الغيبية الموضحة للكلم القرآنية والحكم الفرقانية از نعمة الله بن محمود النخجواني، ويعرف بالشيخ علوان (المتوفى 920هـ) کی تفسیر میں بیان کیا ہے

ثُمَّ أَماتَهُ عن نشأة الابتلاء والاختبار تخليصا وتقريبا الى ربه فَأَقْبَرَهُ في البرزخ

اللہ نے اس کو البرزخ میں قبر دی

یہ سب معاملات. برزخ کے عالم بالا کے ہیں جن کو آپ نے انسانوں کا کھیل سمجھ لیا ہے- حدیث میں میت کی تدفین سے پہلے ہی عذاب بتایا گیا ہے مثلا جنگ میں چادر چوری کرنے والے پر وہ آگ بن کر چھا گئی- آپ نے کہا ہے کہ عذاب جیل کے لئے جیل ضروری ہے- آپ کو یہ تو معلوم ہو گا کہ النار کا لفظ قرآن میں جب بھی اتا ہے جہنم کے لئے آتا ہے اور قرآن میں عذاب قبر کی دلیل صرف ال فرعون والی آیت ہے کہ ان کو النار پر پیش کیا جاتا ہے صبح و شام- اسی آیت کو عذاب قبر کی دلیل کہا جاتا ہے- ابن کثیر کا کہنا ہے کہ اہل سنت کے نزدیک عذاب قبر کی سب سے. بڑی دلیل ہے- تو جناب یہ عذاب جہنم میں ہے نہ ارضی قبر میں- متقدمین و متاخرین تمام کا یہی کہنا ہے حتی کہ فرقوں کے علماء کا بھی یہی قول ہے- مودودی ترجمہ کرتے ہیں

آخر کار اُن لوگوں نے جو بُری سے بُری چالیں اُس مومن کے خلاف چلیں، اللہ نے اُن سب سے اُس کو بچا لیا 61، اور فرعون کے ساتھی خود بدترین عذاب کے پھیر میں آ گئے۔ 62 دوزخ کی آگ ہے جس کے سامنے صبح و شام وہ پیش کیے جاتے ہیں، اور جب قیامت کی گھڑی آ جائے گی تو حکم ہو گا کہ آلِ فرعون کو شدید تر عذاب میں داخل کرو۔

آپ نے کہا قرآن کا کہنا ہے کہ مقام عجب الذنب ہی سارے انسانوں کی اصل قبر ہے

ایک منٹ یہ قرآن میں نہیں لکھا آپ اس کو استخراجی مفہوم تو کہہ سکتے ہیں یا تشریح کہہ سکتے ہیں لیکن مجھ کو نہیں معلوم کہ قرآن میں عجب الذنب کا ذکر ہو- عجب الذنب کا ذکر صرف حدیث میں ہے جہاں اس کے ایک ہڈی کے طور پر باقی رہ جانے کا ذکر ہے- یہ نہیں آیا کہ یہ ہڈی زندہ ہے یا اس میں روح ہے- انبیا کے خواب تمثیل ہوں تو اسی حدیث میں اس کی تاویل موجود ہوتی ہے- میں نے جو کہا اس کو سمجھیں کہ سمرہ بن جندب کی حدیث میں جو خواب ہے وہ تمثیل نہیں ہے حقیقت ہے اس حدیث میں موجود نہیں کہ یہ جو بیان ہوا حقیقت سے جدا ہے بلکہ اس کے متن میں موجود ہے کہ ایسا سب قیامت تک ہو گا- آپ زبردستی اس کو ایک تمثیلی خواب قرار دے رہے ہیں جبکہ روایت کے متن میں یہ موجود نہیں ہے

مودودی نے تفہیم میں لکھا ہے

یہ آیت اس عذاب. برزخ کا صریح ثبوت ہے جس کا ذکر بکثرت احادیث میں عذاب قبر کے عنوان سے آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہاں صاف الفاظ میں عذاب کے دو مرحلوں کا ذکر فرما رہا ہے، ایک کم تر درجے کا عذاب جو قیامت کے آنے سے پہلے فرعون

اور آل فرعون کو اب دیا جارہا ہے، اور وہ یہ ہے کہ انہیں صبح و شام دوزخ کی آگ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے جسے دیکھ کر وہ ہر وقت ہول کھاتے رہتے ہیں کہ یہ ہے وہ دوزخ جس میں آخر کار ہمیں جانا ہے۔ اس کے بعد جب قیامت آ جائے گی تو انہیں وہ اصلی اور بڑی سزا دی جائے گی جو ان کے لیے مقدر ہے، یعنی وہ اسی دوزخ میں جھونک دیے جائیں گے جس کا نظارہ انہیں غراب ہو جانے کے وقت سے آج تک کرایا جارہا ہے اور قیامت کی گھڑی تک کرایا جاتا رہے گا۔ اور یہ معاملہ صرف فرعون و آل فرعون کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے

ال فرعون کو جہنم کی اگ پر ہی پیش کیا جارہا ہے اگرچہ ابھی وہ اس میں جل نہیں رہے

زانی ایک کنواں میں تھے وہ اگ کی تپش محسوس کرتے ہیں اس میں جل کر بھسم نہیں ہو رہے - وہ بھی پیشی کی حالت میں ہیں

آپ نے سورہ الاعراف کی آیت کے الفاظ دیے

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِي آدَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۛ شَهِدْنَا ۛ أَن تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَافِلِينَ

اس میں الفاظ واشھدھم علی انفسھم۔ انہوں نے اپنے اپ پر گواہی دی - سے آپ نے ترابی جسم کا استخراج کیا ہے- پھر

اس کو آپ نے آدم میں روح پھوکنے والی آیت سے ملا دیا ہے—

فاذا سویتہ و نفخت فیہ من روحی

جب میں اس کو متناسب کر دوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں

یہ آیت تو آدم علیہ السلام کے لئے خاص ہے- اور جہاں تک یہ آیت ہے

و نفس وما سواھا۔

اور قسم ہے نفس کی اور وہ (جسم) جس کو درست کیا گیا

تو اس میں سواھا ہے یعنی متناسب کیا یہ انسان کے جسم کی بابت ہے

مودودی نے تفہیم القرآن میں لکھا ہے

ہموار کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس کو ایسا جسم عطا کیا جو اپنے قامتِ راست اور اپنے ہاتھ پاؤں، اور اپنے دماغ کے اعتبار سے انسان کی سی زندگی بسر کرنے کے لیے موزوں ترین تھا۔ اُس کو دیکھنے، سننے، چھونے، چکھنے اور سونگھنے کے ایسے حواس عطا کیے جو اپنے تناسب اور اپنی خصوصیات کی بنا پر اس کے لیے بہترین ذریعۂ علم بن سکتے تھے

جناب عذاب قبر کی دلیل قرآن میں ال فرعون والی آیت ہے

اس آیت میں دوزخ میں عذاب کا ذکر ہے اور سب اس عذاب کو روح پر مانتے ہیں نہ کہ جسم و بدن پر-جب یہ واحد عذاب قبر کی دلیل ہے تو پھر لفظوں کا ہیر پھیر کا آپ کا بہتان کیوں ہے- اپ کے فلسفہ کو قبول نہیں کیا جا سکتا جب ہمارے پاس صحیح مسلم کی دلیل موجود ہے کہ شہید جنتوں میں ہیں نہ کہ عالم ارضی میں- یہاں تک کہ شہدائے احد سبز پرندوں میں ہیں عرش کے نیچے قندیلوں میں ہیں

آپ اس سوال کا جواب دیں کہ انبیاء جن سے حقیقی ملاقات جنت میں ہوئی اس وقت ان کی موت کا دورانیہ ہے کہ نہیں؟ وہاں جنت میں وہ روح یا پھونک نہیں تھے باقاعدہ بولنے والے جسموں کے ساتھ تھے جن کے چہروں کے نقوش الگ الگ حدیث میں بیان ہو چکے ہیں- انبیاء کی موت کا دورانیہ چل رہا ہے لیکن جنتوں میں زندگی کے تمام آثار تھے- یہی عالم شہداء کا بھی ہے کہ وہ جنت میں ہیں لیکن سبز جسم میں- قرآن و حدیث پڑھنے والا ان آثار کو خواب و تمثیل کہہ کر رد نہیں کرتا

البتہ اپنے باطل فلسفوں کی ترویج کرنے والے ایسا ضرور کرتے ہیں- بعض شہید احد کے اجسام کا مشرکین مکہ کی طرف سے مثلہ کیا گیا ان کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کیا گیا- دفناتے وقت ان کے اجسام کے حصے الگ الگ دفن ہو سکتے ہیں، لیکن جنت میں اپنے برزخی سبز جسم میں یہ سب موجود ہیں- اس کو ہم آپ کے فرضی تصورات پر رد نہیں کر سکتے

شہید زندہ ہیں تو قرآن میں ہے عند اللہ یعنی اللہ کے پاس رزق پا رہے ہیں

آپ کے فلسفوں کا رد ابن مسعود رضی اللہ عنہ کرتے ہیں

صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ

http//www.islamicurdubooks.com/Sahih-Muslim/hadith.php?vhadith_id=4922

صحیح مسلم- حدیث نمبر 4885 باب شہیدوں کی روحیں جنت میں ہیں اور یہ کہ وہ اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں رزق دیئے جاتے ہیں۔

مسروق رحمہ اللہ سے روایت ہے، ہم نے سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا اس آیت کا «وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ» (۳-آل عمران ۱۶۹) یعنی "مت سمجھو ان لوگوں کو جو قتل کیے گئے اللہ کی راہ میں مردہ بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے پاس روزی دیئے جاتے ہیں۔۔ سیدنا عبداللہؓ نے کہا ہم نے اس آیت کو پوچھا رسول اللہ ﷺ سے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "شہیدوں کی روحیں سبز چڑیوں کے قالب میں قندیلوں کے اندر ہیں، جو عرش مبارک سے لٹک رہی ہیں، اور جہاں چاہتی ہیں جنت میں چرتی پھرتی ہیں پھر ان قندیلوں میں

www.islamicurdubooks.com

جب فرشتے کہتے ہیں اخرجوا انفسکم تو نفس تو قبض ہو جاتا ہے لیکن جسم رہ جاتا ہے

اس طرح جسم الگ ہے جس کا سوا ہوا ہے اور نفس الگ ہے

قرآن میں ہے

اور جب نفوس کو جوڑا جائے گا

یعنی روح کو بدن سے

قرآن میں ہے کہ قبض نفس کو کیا جاتا ہے

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَ الَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَ يُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ

وہ اللہ ہی ہے جو موت کے وقت رُوحیں قبض کرتا ہے اور جو ابھی نہیں مرا ہے اُس کی رُوح نیند میں قبض کرلیتا ہے، 60 پھر جس پر وہ موت کا فیصلہ نافذ کرتا ہے اُسے روک لیتا ہے اور دُوسروں کی رُوحیں ایک وقتِ مقرر کے لیے واپس بھیج دیتا ہے۔ اِس میں بڑی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرنے والے ہیں

معلوم ہوا کہ نفس قبض ہو جاتا ہے حدیث میں اسی کو روح کہا گیا ہے جس کو آسمان پر لے جاتے ہیں

اب آیت وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ دیکھتے ہیں

یہاں نفوس اپنے آپ پر گواہ ہیں یہاں اجسام کا ذکر نہیں ہے نفس کا ہے اور موت پر قبض نفس ہوتا ہے قبض جسم نہیں

اس سب سے واضح ہے کہ روح سے عہد الست ہوا ہے۔ کیا اللہ کے حکم سے کسی چیز کا بولنا اسی وقت ممکن ہے جب وہ جسم ہو؟ عالم بالا میں تو اس قسم کی کوئی قید نہیں ہے۔ روح اگر اللہ کا امر ہے تو وہ بولے گی اس میں کیا خلاف عقل ہوا

آپ نے تصور قائم کیا ہے کہ تمام انسانیت کے اجسام عنصری کو اللہ تعالی نے خلق کر کے ان میں روح ڈالی

یہ فلسفہ جو آپ نے گھڑا ہے کس مفسر کس شارح حدیث نے بیان کیا ہے؟ کوئی بھی اس کا قائل نہیں

اول انسان آدم علیہ السلام تھے پھر ان کی زوجہ حوا علیہ السلام

آپ نے اس سب کا انکار کر کے تمام انسانیت کو ایک ساتھ جسد عنصری دے دیا ہے۔ ممکن ہے یہ باطل تصورات آپ نے انفسکم کے لفظ سے لئے ہیں جو عہد الست والی آیت میں ہے۔ جبکہ اس تصور کا رد قرآن کی اجمالی تعلیم سے رد ہوتا ہے۔ آپ نے تصور کی جڑیں اخوان الصفا جیسے فلاسفہ میں جا کر ملتی ہیں چہ جائیکہ اس کو اہل سنت کا موقف سمجھا جائے

آپ نے اپنے خود تراشیدہ دو زندگی دو موت کو اس طرح بیان کیا کہ

جب انسان کی روح جسد عنصری سے الگ تھی پہلی موت تھی

پھر تمام انسان بنا دیے گئے ان میں روحیں آ گئیں سب ایک ساتھ زندہ ہو گئے یہ پہلی زندگی تھی

پھر حشر کا وقت ہوا اور تمام انسان مار دیے گئے یہ دوسری موت ہوئی

پھر آسمان سے بارش ہوئی تو دوسری زندگی شروع ہوئی

یہ تصور کہ تمام انسانیت ایک ساتھ عہد الست پر ہی زندہ ہو گئی ان میں روحیں آ گئیں اس کا کوئی قائل نہیں ہے

حدیث میں روح کو جسم میں رحم مادر میں ڈالا جانا بتایا گے ہے جہاں نفخ روح ہوتا ہے۔ آپ اس کے نزدیک اس کی زندگی تو نفخ روح سے پہلے سے ہے؟ یہ کیا عجیب و غریب تصور ہے۔ اس کو پریشان خیالی تو کہا جا سکتا ہے قرآن و حدیث ہر گز نہیں

پھر حشر ہو گا تو تمام انسانیت نہیں مرے گی صرف وہ مریں گے جو عالم ارضی میں ہیں۔ انبیاء کی روحیں تو جنتوں میں ہیں ان کی وفات ہو چکی ہے۔ آپ نے یہ تصور اس لئے قائم کیا ہے کہ آپ کے نزدیک تمام انسان عجب الذنب میں زندہ ہیں جو بول رہے ہیں سن رہے ہیں۔ ان کو مارنا آپ کی مجبوری ہے لہذا آیات قرآن سے کھلواڑ کر کے آپ تمام انسانیت کو ایک ساتھ دوسری موت دیتے ہیں۔ جبکہ قرآن میں ہے کہ موت کا مرحلہ تو اس وقت پورا ہو گیا جن فرشتوں نے قبض نفس کیا تھا اور اس نفس کو روک لیا گیا یعنی جس جسم سے الگ کیا گیا تھا اس نفس کو اس میں جانے سے روکا گیا۔ حدیث میں ہے کہ اس نفس کو عالم بالا میں آسمان پر لے جایا گیا

آپ کے نزدیک وہ شہید جو مر گیا جس کا مثلہ کیا گیا وہ اسی عالم میں زندہ ہے نہ صرف شہید بلکہ اس آپ کے نزدیک تمام مرنے والے چاہے مومن ہوں یا کافر سب قبروں میں عجب الذنب میں زندہ ہیں وہاں ان کی ارواح قید ہیں

یہ دعوی جات باطل اور حماقت در حماقت ہے کیونکہ یہ نصوص سے معلوم ہے کہ شہید قبروں میں نہیں جنتوں میں زندہ ہیں اور ان کی بیوہ عورتوں کی شادیاں کی جاتی ہیں - پھر بار بار آپ ایک مفروضہ پیش کرتے ہیں کہ روح عجب الذنب میں ہے جس کی دلیل تک نہیں ہے۔ پھر عہد الست کی آیت میں انفسکم سے اپ نے سمجھا ہے کہ یہ انسانی جسم سے عہد ہوا جبکہ یہ نفوس سے ہوا ہے۔ جب تک دلیل نہ ہو ان ذاتی تصورات کو عقیدہ قرار نہیں دیا جا سکتا

فلسفی نے جوابا کہا

فرض کیجئے یہ ساری کائنات اللہ کے ایک ہاتھ کی ہتھیلی پر چیونٹی کی طرح رینگ رہی ہے جس میں سارے آسمان وزمین۔۔ سب وقت، کیمیتیں، مخلوقات فاصلے سب آگئے۔۔ توآپ کس طرح اللہ کو کہیں سات آسمانوں کے اوپر جلال الدین محمد اکبر کی طرح کسی ایسے تخت پر بیٹھا دیکھ سکتے ہیں جسے آٹھ فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہو؟ ہم دراصل مجبور ہیں کہ ہر چیز کو طبعی عالم کے اصولوں کے تحت ہی دیکھ سکیں۔۔ ہمارا مادہ تخلیق ہی طبعی مادہ ہے، اس لئے آسمان طبعی عالم کے لحاظ سے جو حقیقت رکھتے ہیں وہ ہمیں بتلادی جاتی ہے۔۔ اللہ توسارے آسمانوں اور سب زمینوں کو اپنی مٹھی میں جکڑ لے گا؟

جواب

اللہ تعالی یقینا عرش پر ہیں جس کو فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہے- سورہ غافر

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ (7)

جو (فرشتے) عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے گرد ہیں وہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں اور ایمانداروں کے لیے بخشش مانگتے ہیں، کہ اے ہمارے رب تیری رحمت اور تیرا علم سب پر حاوی ہے پھر جن لوگوں نے توبہ کی ہے اور تیرے راستے پر چلتے ہیں انہیں بخش دے اور انہیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے

اللہ تعالی یقینا سات آسمان لپیٹ دے گا— لیکن نہ ہم اس کی کیفیت کو جانتے ہیں نہ سمجھ سکتے ہیں لیکن یقینا ہم کو دیکھیں گے کہ وہ یہ کرے گا

اس میں لاعلم ہونے کی وجہ سے ہم عرش کے وجود کا، فرشتوں کے عرش کو اٹھانے کا انکار نہیں کریں گے-